نومبر ۱۹۶۲

ماہنامہ

حیات نو

ANJUMAN TALBA-E-QADEEM

انجمن طلبۂ قدیم

جامعۃ الفلاح بلریا گنج۔ اعظم گڑھ یوپی (انڈیا)

BILARIAGANJ - AZAMGARH (U.P.) INDIA

ابنائے فلاح متوجہ ہوں

برادرانِ مکرم !

انجمن کے دو سالہ اجلاس منعقدہ ۲۱ تا ۲۳ نومبر ۲۰۰۳ء کے موقع پر ایک مقالہ پیش کیا جائے گا جس کا عنوان ابنائے فلاح اور تحریک اسلامی ہوگا۔ اس موقع پر فلاحی بھائیوں کی تحریک اسلامی سے وابستگی، ان کی خدمات اور کارناموں کا ہلکا جائزہ اور احتساب و تنقید نیز منصوبے اور مشورے پیش کئے جائیں گے۔ آپ حضرات سے درخواست ہے کہ کسی قسم کی خاکساری اور عجز و انکسار سے کام لئے بغیر اپنی خدمات (جس شکل میں بھی کر رہے ہوں) اور مشغولیات سے درج ذیل پتہ پر اطلاع کریں تاکہ یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے۔

عبید اللہ فہد فلاحی
گلشن سہیل بدر باغ
علی گڑھ 202001

نوٹ :- خدمات چاہے تعلیم و تدریس کی شکل میں ہوں یا اخبارات و جرائد سے وابستگی کی صورت میں، یا تصنیف و تحریر سے تعلق کی صورت میں ضرور مطلع کریں۔

حیات نو

مدیر مسئول — نور محمد فلاحی

مدیر معاون — سید راشد علی حامدی

مجلس ادارت

شبیر احمد فلاحی	مرکز دہلی
نسیم احمد غازی فلاحی	مرکز دہلی
عبید اللہ فہد فلاحی	علی گڑھ
اشتیاق دانش فلاحی	علی گڑھ
عبد الحئی فلاحی	دعوت دہلی
شفیق عالم اچوی	زائجی
اطہر ریحان فلاحی	(الجبیل دعرب)

محرم / صفر ۱۴۰۳ھ مطابق نومبر ۱۹۸۲ء

سالانہ زر تعاون ۲۰ روپے

قیمت فی شمارہ ۲ روپے

شمارہ نمبر ۶

جلد نمبر ۲

نقوش حیات نو

دھوپ کنارے

بے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات — سید راشد علی حامدی ۱

بارگاہ خداوندی سے

ہجرت سے متعلق مسائل اور ان کا حل سورہ عنکبوت کی روشنی میں — مولانا نظام الدین اصلاحی ۳

فکر و خیال

اقبال اور قرآن — ابن عبارت فلاحی ۵

اسلام میں کامیابی کا تصور — سید راشد علی حامدی ۹

انتہا پسند، حقیقت، الزام — نعیم الدین اصلاحی ۱۵

اخوان المسلمین ایک جائزہ اور مطالعہ — عبید اللہ فہد فلاحی ۱۸

حفاظت قرآن — انور کمال متعلم درجہ عربی چہارم ۲۵

میں نے اسلام کیوں قبول کیا — ضیاء حسن احمد در آکی ۲۷

شخصیات

مولانا انیس الدین احمد — اقبال احمد ایڈیٹر رفیق ۲۲

نقش و نور

طمانچہ — سید راشد علی حامدی ۲۸

فلسطینی بچوں کے خطوط اللہ میاں کے نام

ماخوذ از الشیا بحوالہ روزنامہ نوائے وقت ۲۹

شعر و نغمہ

نعت — احمد ندیم قاسمی ۳۱

بیروت خوں فشاں — شفق طاہری ۳۲

عالم اسلام

ہم آخر دم تک لڑتے رہیں گے — اشرف القطری ۳۳

نقد و تبصرہ

تلاش اقبال — مولانا عبد الحکیم ایم اے ۳۵

حکایتیں اور شکایتیں

حلقۂ یاراں ۳۷

جامعہ کے لیل و نہار

امیر حلقہ کی آمد، انعامی مقابلہ، خوشخبری — محمد شمیم اختر ۳۹

دھڑکنیں

بے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

آج ہمارا ملک ایک سنگین اور تشویش ناک صورتحال سے دوچار ہے۔ ملک میں آزادی کے بعد سے رونما ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات یا یوں کہیے کہ ایک سوچی سمجھی اور منصوبہ بند اسکیم کے تحت اقلیت کا مسلسل جانی و مالی استحصال ہر بیدار ذہن اور حساس دل رکھنے والے کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے۔ آج سیاسی سطح پر ہر ایک کے ذہن میں یہ سوال ابھر کر سامنے آرہا ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کی بنا پر ملک میں اقلیتی فرقہ کو تعصب و تنگ نظری اور نفرت و تشدد کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا جارہا ہے۔

برطانوی سامراج نے اپنے اقتدار کی بقا اور استحکام کے لئے ملک میں جو ہندو مسلم کشمکش کی فضا پیدا کی تھی تقسیم ہند کے عمل سے وہ فضا اور گمبھیر ہوگئی۔ قطع نظر اس کے کہ مسلمانوں کا ایک علیحدہ ریاست کے مطالبہ کا فیصلہ غلط تھا یا صحیح، اکثریتی فرقہ کو اس فیصلہ سے ذہنی دھچکا پہونچا اور اس عمل سے ملک میں مہاسبھائی اور جن سنگھی ذہنیت کو پروان چڑھنے کا موقع ملا اور آہستہ آہستہ یہ مزاج اور ذہنیت پورے ملک پر چھا گئی چنانچہ اس وقت سے لیکر آج تک اقلیتی فرقہ کو قتل و غارتگری لوٹ مار، آبروریزی و عصمت دری اور نفرت و تشدد کا شکار بنایا جارہا ہے۔ ان کے جداگانہ قومی و ملی تشخص پر ضرب کاری لگائی جارہی ہے ان کے تہذیب و تمدن کی انفرادیت اور اسلامی احکام و قوانین کو یکساں سول کوڈ اور متحدہ قومیت کی آڑ میں ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہیں، کبھی "بھارتیہ کرن" کا آوازہ بلند کیا جاتا ہے تو کبھی مسلمانوں کی دلآزاری کے لئے شدھی تحریک چلائی جاتی ہے۔ اور ہر سال کہیں نہ کہیں حیدرآباد، جمشید پور اور مرادآباد کا کوئی نہ کوئی مقتل مسلمانوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور اس نام نہاد "اہنسا" اور "عدم تشدد" کے پجاری ملک میں آگ و خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے

ابھی پچھلے فسادات کے زخم مندمل بھی نہ ہونے پائے تھے اس ظلم و بربریت کے خلاف دیئے گئے بیانات کی سیاہی ابھی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ایک بار پھر قتل کا ڈرامہ کھیلا گیا اور تعصب و فسطائیت کا زہر میں بجھا ہوا خنجر مسلمانوں کے سینہ میں اتار دیا گیا ہے اور اس "دیومالائی جمہوریت" کی لاش ایک بار پھر سے گور و کفن ہوگئی! پھر وہی "پکڑ دھکڑ" "باہری امداد" اور "غیر ملکی سازش کا راگ" الاپا جارہا ہے کہاں ہیں گاندھی جی اہنسا اور عدم تشدد کے علمبردار جو ایک چیونٹی کو بھی مارنا پسند نہیں کرتے اور کہاں یہ بے گناہوں اور معصوموں کا کھلے بندوں قتل عام، یہ فرقہ وارانہ فسادات اقلیت ہی کو نقصان نہیں پہونچاتے بلکہ اس ان کے علمبردار ملک کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہیں اور اس اخلاقی المیے سے ملک کا مستقبل خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

دنیا کو دکھانے کے لئے اس بار پھر تحقیقاتی کمیشن بٹھائے جائیں گے، مجرموں کو کیفر کردار تک پہونچانے کے دعوے کئے جائیں گے۔ مگر ان تحقیقاتی کمیشنوں سے کیا فائدہ؟ مجرم پورے ملک میں دندناتے پھر رہے ہیں اور جب اور جہاں چاہتے ہیں ہنستے مسکراتے پھولوں سے شہر کو لہو کے دریا میں ڈبو دیتے ہیں ان تعصب کے ماروں اور فسطائیت نوازوں سے کوئی پوچھے کہ ان معصوموں نے کیا جرم کیا تھا جو انہیں کھلنے سے پہلے ہی مرجھانے پر مجبور کر دیا گیا، یہ سسکتی دم توڑتی لاشیں یہ دھوئیں اگلتے مکانات یہ ویرانیاں اور سیندور سے خالی مانگیں اور یہ سونی کلائیاں ثناخوان تقدیس مشرق کو آواز دے رہی

گیا۔

کہاں ہیں وہ مصلحت بین مفاد پرست بے ضمیر اور کوتاہ اندیش لیڈران جو پورے ملک میں بہیمیت کی آگ بھڑکا کر اپنی کرسی اقتدار کی بقا اور استحکام چاہتے ہیں۔ پورا ملک تباہی و بربادی کی کگار پر آ لگا ہے اور یہ مفاد پرست لیڈران اپنے ایرکنڈیشنڈ محلات میں داد عیش دے رہے ہیں ـــــــــــ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آزادی کے بعد سے ہم کو کیا ملا؟ ہم کو ہمیشہ خوف و ہراس اور نفرت و تعصب کی آگ میں جلنا پڑا۔ ہم نے ہمیشہ اپنی جان و مال سے وطن عزیز کی آبرو بچائی مگر ہم کو شبہ کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ ہماری وفاداریوں اور قربانیوں کو غداریوں سے تعبیر کیا گیا جہاں تک ہمارے قومی و ملی تشخص اور ہماری تہذیبی انفرادیت کا سوال ہے تو یہ چیز کسی بھی صورت میں اکثریتی فرقے کے لئے ناقابل قبول ہے۔ اس ملک کی دوسری اقلیتوں کو وہ بنیادی حقوق حاصل ہو سکتے ہیں مگر مسلمانوں کا معاملہ سب سے جدا ہے وہ ہر حال میں غدار وطن گردانے جانے کے مستحق ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت کسی پر جمہوریت کا غلبہ ہو تو زبان سے مسلمانوں کے ان حقوق کا اعتراف کرے مگر عملاً ہماری اس حیثیت کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ دستور ہند میں خواہ کتنے ہی خوشنما اور دیدہ زیب الفاظ میں ہمارے بنیادی حقوق کی ضمانت موجود ہو خواہ ہندوستان کے ہر لیڈر کو اس بنا پر نوبل پرائز ہی کیوں نہ مل جائے وہ ذہنی طور پر اتنے ہی متشدد ہیں جتنا کہ تقسیم کے وقت تھے۔

سوچنے کا مقام ہے کہ یہ امتیازی رویہ اس قوم کے ساتھ اپنایا جا رہا ہے جو دس گیارہ سو سال سے مسلسل اپنے خون جگر سے اس ملک کو سیراب و شاداب کر رہی ہے جس نے اپنے حسن عمل سے اپنی وفاداریوں کا ثبوت فراہم کیا ہے جس نے اکثریتی فرقے کے دلوں میں محبت و الفت کی شمعیں روشن کی ہیں جس نے اس دیومالائی اور ساحری ملک کو ایک تہذیب اور ایک کلچر کا مالک ہی نہیں بنایا انھیں درس اخوت و مساوات ہی نہیں دیا بلکہ انھیں اپنے دلوں میں جگہ دی ہے۔

اس سے کہیں زیادہ ہمیں افسوس ان نام نہاد مسلم لیڈران پر ہے جو ہر موقعہ پر خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں ان میں اتنی جسارت بھی نہیں کہ اس ظلم پر اپنی کرسی اقتدار کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر یا کم از کم اپنے چھوٹے منہ سے صدائے احتجاج بلند کرکے ہی اپنی غیرت ملی کا ثبوت فراہم کردیں مگر افسوس صد افسوس کہ وہ اس بار بھی پوری بے غیرتی اور بے حسی سے اس حادثۂ خونچکاں اور فسانۂ درد و الم کو دیکھتے اور سنتے رہے انھوں نے اف تک نہ کی کہ کہیں "مہرباں" "نامہرباں" نہ ہو جائے۔

اس نازک صورت حال میں ہم ملک کے ذہین ترین طبقے سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس چیلنج کا سامنا کرنے کیلئے اپنے فکر و عمل کی قوتوں کو بروئے کار لائیں اور اخوت و بھائی چارگی مروت و رواداری اور اعلیٰ انسانی قدروں کی بنیاد پر ایک نئے جہاں کی تعمیر کریں اور نفرت و عداوت اور تعصب و تنگ نظری کی فضا کو ختم کرکے ملک کو اس لعنت سے نجات دلانے کی حتی المقدور کوشش کریں۔ ورنہ کوئی بھی طاقت ملک کو تباہی و بربادی سے نہ بچا سکے گی۔

سید راشد علی حامدی

بارگاہ خداوندی سے

مولانا نظام الدین اصلاحی
استاذ جامعۃ الفلاح

ہجرت سے متعلق مسائل اور ان کا حل سورۂ عنکبوت کی روشنی میں

یا عبادی الذین اٰمنوا ان ارضی واسعۃ فایای فاعبدون (عنکبوت ۵۶)

ترجمہ: اے میرے وہ بندے جو ایمان لائے بے شک میری زمین بہت وسیع ہے لہذا میری عبادت کرو۔

سورہ عنکبوت کا خلاصہ

یہ سورہ عنکبوت کی آیت ہے۔ یہ سورہ ہجرت سے کچھ ہی پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ کسی دعوت کے بلند ہونے کے وقت اس کے راستے میں جو کٹھن مراحل پیش آتے ہیں وہ اکثر لوگوں کو معلوم ہیں۔ اس پوری سورہ کے اندر ایک عملی اور پیچیدہ سوال کا جواب تاریخی اور نقلی نقطۂ نظر سے دیا گیا ہے۔ وہ پیچیدہ سوال یہ تھا کہ دعوت اسلامی کے علمبردار آزمائش کے اس مرحلہ میں کیا پالیسی اپنائیں جس میں انہیں معاشی بائیکاٹ، معاشرتی مقاطعہ اور سیاسی الجھنوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ اس سورہ میں تاریخی لحاظ سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی دعوت و تحریک خواہ وہ حق ہو یا باطل، عظیم قربانیوں کے بغیر بار آور نہیں ہو سکتی۔ اس حقیقت پر قرآن مجید کے بیانات ہی شاہد نہیں ہیں بلکہ پوری تاریخ عالم اس پر گواہ ہے فرمایا:

اَحسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم	کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ صرف آمنا کہہ دینے پر چھوڑ دیے جائیں گے اور آزمائے نہیں جائیں گے جبکہ پہلے کے تمام لوگوں کو ہم نے آزمایا۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دعوت اسلامیہ کی کامیابی عظیم قربانیوں کی طالب ہے۔ اس طرح تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی جو دنیوی اعتبار سے بہت کمزور تھے فکری اور ذہنی تربیت کا بہترین انتظام کیا گیا ہے۔

ہجرت سے پہلے جب آزمائشیں اپنے شباب پر تھیں اور لوگوں کو یقین ہو چکا تھا کہ وطن عزیز کو خیرباد کہنا ہے ہجرت ہر شخص کے ذہن میں نظر آتا یہ سوال ابھر رہا تھا کہ کسی نئے مقام پر جا کر ہم کیا کریں گے کیونکہ لوگوں کا ایک کثیر تعداد میں کسی اجنبی مقام پر پہنچ جانا نہایت آزمائش کا سبب بنتا ہے اور اس میں سب سے پہلے یہی سوال آتا ہے کہ ضروریات زندگی کی تکمیل کیسے ہوگی چونکہ خالق کائنات فطرت انسانی کا رمز شناس ہے اس لئے اس نے سب سے پہلے اس سوال کے جواب کیطرف توجہ کی اور فرمایا:

وکأین من دابۃ لا تحمل رزقھا اللہ یرزقھا وایاکم وھو السمیع العلیم (عنکبوت)	دنیا میں کتنے جانور ایسے ہیں جو اپنا روزی ڈھوتے نہیں پھرتے اللہ ان کو روزی دیتا ہے کیونکہ وہ لوگوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی ضرورتوں کو جانتا ہے۔

اس آیت میں لوگوں کے ذہن سے اس طرح کے ایک ایک کانٹے کو نکال کر اطمینان و سکون کی دولت سے سرفراز کیا۔

سیاسی اعتبار سے ان لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو رہا تھا کہ ہم بیٹے اور کمزور لوگ جب اپنے وطن میں قیام نہ کر سکے تو اجنبی جگہ میں قیام کرتے اور مضبوط حیثیت حاصل کرنے میں کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں اور یہ سوال ہر اس گروہ کے ذہن

تب پیدا ہوگا جو اس طرح کے حالات سے دوچار ہوگا ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو اس بات کا بھی یقین تھا کہ جہاں جانا ہے، وہاں بھی منافقین اور دشمنانِ اسلام سے سابقہ پیش آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس الجھن کو بھی ایک تاریخی واقعہ بیان کرکے دور کیا اور ان کے دلوں کو اطمینان و سکون کی دولت سے نوازا۔ فرمایا:

وقارون وفرعون وهامان ولقد جاءهم موسى بالبينت فاستكبروا في الارض وما كانوا سابقين فكلا اخذنا بذنبه فمنهم من ارسلنا عليه حاصبا ومنهم من اخذته الصيحة ومنهم من خسفنا به الارض ومنهم من اغرقنا وما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون (عنکبوت)

اور ہم نے قارون، فرعون اور ہامان کو برباد کیا ان کے پاس حضرت موسیٰ واضح تعلیمات لے کر گئے تھے تو انہوں نے زمین میں تکبر کی وجہ سے اس سے انکار کر دیا اور ہماری گرفت سے نہ بچ سکے پس ہم نے ان سب کو ان کی غلطی کی وجہ سے پکڑ لیا تو بعض کے اوپر ہم نے تیز تند ہوا بھیجی اور بعض کو ایک زوردار چیخ نے پکڑا اور بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو سمندر میں ڈبو دیا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر ظلم کرنے والا نہیں تھا بلکہ یہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

اس آیت کے ذریعہ اس مٹھی بھر جماعت کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ بڑی سے بڑی سیاسی قوت بھی اللہ تعالیٰ کی طاقت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی وہ داعیانِ حق کو اپنے خصوصی انتظام کے ذریعہ باطل کی سازشوں اور ان کی سیاسی طاقت سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس طرح جب لوگوں کے ذہنوں کو اچھی طرح سے مطمئن کر دیا گیا اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے ان کی تربیت کر دی گئی تو یہ حکم ہوا جو اوپر کی آیت میں گزر چکا ہے یعنی اے مومن بندو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ اس لئے میری ہی عبادت کرو۔ اس آیت میں سب سے اہم بات جو قابلِ غور ہے وہ یہ کہ عبادت کے لئے وسیع زمین کی موجودگی کیوں ضروری بتائی گئی ہے۔ اس سورہ میں جو لوگ غور کریں گے وہ بآسانی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہجرت اور مجاہدہ فی سبیل اللہ کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ اگر عبادت کا وہ مفہوم ہوتا جو عام طور سے بہت سے مسلمانوں کے ذہنوں میں پایا جاتا ہے تو اس کے لئے کسی دور میں اور کسی سرزمین میں تنگی تھی نہ رہی۔ دورِ نبوی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ پیش کش رکھی تھی کہ ہم آپ کے لئے عبادت گاہ تعمیر کر دیتے ہیں آپ خوشی سے اس میں اپنے خدا کی بندگی کریں مگر ہمارے معبودوں پر تنقید نہ کریں۔ لیکن عبادت کا وہ وسیع مفہوم جو قرآن مجید میں پیش کیا گیا ہے جب بھی اپنایا جائے گا دنیا کا ہر ملک اس کے لئے تنگ ہو جائے گا۔

عبادت

قرآن مجید میں عبادت کو دو مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ ایک معروف معنی میں یعنی اصطلاحی عبادت مثلاً مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ اور دوسرے اطاعت احکام مثلاً فرعون کا قول کلام پاک میں أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ظاہر ہے کہ اس میں عبادت کے لفظ سے سجدہ یا اصطلاحی عبادت مراد نہیں ہو سکتی۔ پہلے معنی کے لئے انگریزی میں WORSHIP کا لفظ بولا جاتا ہے اور دوسرے معنی کے لئے OBIDIENCE کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ پرستش اور اطاعت احکام کے جامع اور وسیع مفہوم کو ادا کرنے کے لئے عربی زبان میں لفظ عبادت بولا جاتا ہے اور قرآن مجید کے استعمالات نے اس وسیع مفہوم کو بہت واضح اور مدلل بنا دیا ہے۔ اس مفہوم کو سامنے رکھا جائے تو آیت ان ارضی واسعۃ فایای فاعبدون کا صحیح مفہوم سمجھ میں آ جائے گا۔ نبی کریم نے جو دعوت اہلِ عرب کے سامنے پیش کی تھی وہ صرف پرستش کی دعوت نہیں تھی کہ انسان خدا کے سامنے سجدہ کر لیا کرے اور پھر باقی زندگی میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے آزاد ہو جائے بلکہ وہ دعوت پرستش کے ساتھ ساتھ اطاعت احکام پر بھی حاوی تھی اور اسی وجہ سے سرزمین مکہ آپ کے لئے اور آپ کے ساتھیوں

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

ابنِ عبادت فلاحی علیگ

اقبال اور قرآن

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست — زیرِ گردوں سرِّ تمکینِ تو چیست
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم
حرفِ او را ریب نے تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ او رحمۃ للعالمیں

علامہ اقبالؒ کے ان اشعار سے قرآن پر آپ کا ایمان و یقین اور سوزِ دروں کا پتہ چلتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کی شاعری کا بیشتر حصہ قرآن پاک کی شعری تفسیر تھا۔ آپ مفکرِ قرآن تھے آپ کی شاعری قرآنی تعلیمات کی ترجمان تھی پھر آپ قرآن کو ایک عملی چیز سمجھتے تھے۔ اسے انسان کی سیرت و کردار میں جلوہ گر دیکھنے کے خواہش مند تھے۔

ایک بار پنجاب کے ایک پیر صاحب نے اقبالؒ سے ایک درخواست لکھنے کی فرمائش کی۔ تقریب یہ تھی کہ ان دنوں سرکار کی طرف سے لوگوں میں زمین تقسیم ہو رہی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ اس قسمت سے کچھ حصہ ان کو بھی مل جائے۔ جواب ملا کہ درخواست تو میں لکھے دیتا ہوں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ پیشی کس کے سامنے کرنا ہوگی۔ پیر صاحب اس کو کیا سمجھتے خاموش ہو رہے۔ آپ نے خود ہی فرمایا: "پیر صاحب! ایک مشہور کتاب ہے جس کا نام قرآن ہے۔ اس کتاب کو خدا نے اپنے آخری نبی پر اتارا جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا، یہ نبی عرب کے رہنے والے تھے ان کی وفات کو تیرہ سو سال ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ زمین خدا کی ملکیت ہے۔ اب اگر چاہیں تو میں درخواست خدا کے نام لکھ دوں؟"

آپ نے ۱۹ مارچ ۱۹۳۳ء کو لاہور سے حکیم عرشی کو خط لکھا تھا اس میں فرمایا تھا کہ:

"آپ اسلام اور اس کے حقائق کے لذت آشنا ہیں۔ مثنوی رومی کے پڑھنے سے اگر قلب میں گرمیٔ شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہیئے۔ شوق خود مرشد ہے۔ میں ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کر چکا ہوں اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو صرف قرآن یا مثنوی۔"

اسی خط میں علامہ مرحوم نے مکتوب الیہ کو قرآن حکیم کا مطالعہ جاری رکھنے کا مشورہ دیا ہے لکھتے ہیں:

"بہر حال قرآن اور مثنوی کا مطالعہ جاری رکھئے۔ مجھے کبھی کبھی لکھتے رہیئے اس واسطے نہیں کہ میں آپ کو کچھ سکھا سکتا ہوں بلکہ اس واسطے کہ ایک ہی قسم کا شوق رکھنے والوں کی صحبت بعض ایسے نتائج پیدا کر جاتی ہے جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتے۔"

(ملفوظاتِ اقبال ص ۲۳۳-۲۳۴)

اکبر الٰہ آبادی کو خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واعظ قرآن بننے کی اہلیت تو مجھ میں نہیں ہے ہاں اس مطالعہ سے اپنا اطمینانِ خاطر روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے۔"

(مکاتیبِ اقبال)

ایک موقع پر سید سلیمان ندویؒ کے نام خط میں لکھا:

"اگرچہ یورپ نے مجھے بدعت کا چسکا ڈال دیا ہے تاہم میرا مسلک وہی ہے جو قرآن کا ہے۔"

اسرارِ خودی کا ترجمہ انگریزی میں کرنے والے ڈاکٹر نکلسن کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"میرا دعویٰ ہے کہ اسرار کا فلسفہ مسلمان صوفیاء اور حکماء کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے اور وقت کے متعلق برگساں کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیوں کیلئے کوئی نئی چیز نہیں۔ قرآن الٰہیات کی کتاب نہیں بلکہ اس میں انسان کے معاش و معاد کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے پوری قطعیت سے کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا تعلق الٰہیات ہی کے مسائل سے ہے جو کوئی ایک مسلمان اہلِ علم جب ان مسائل کو حق کا مبدا اور سرچشمہ قرآن ہے، مذہبی تجربات اور افکار کی روشنی میں بیان کرتا ہے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جدید افکار کو قدیم لباس میں پیش کیا جا رہا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قدیم حقائق کو جدید افکار کی روشنی میں بیان کیا جا رہا ہے۔ بدقسمتی سے اہلِ مغرب اسلامی فلسفے کی تعلیم سے ناآشنا محض ہیں۔ اے کاش! مجھے اس قدر فرصت ہوتی کہ میں اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھ کر مغربی فلسفیوں کو اس حقیقت سے روشناس کر دیتا کہ دنیا کی مختلف قوموں کے فلسفیانہ خیالات ایک دوسرے سے کس قدر ملتے جلتے ہیں؟"

اقبال کی قرآن سے محبت اور عشق کی نمایاں مثال وہ واقعہ ہے جو دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر پیش آیا۔ اقبال اس کانفرنس میں شریک ہونے والے تھے۔ اس موقع پر ہندوستان ٹائمز کے نامہ نگار نے ان سے ملاقات کی اور پوچھا:

"گول میز کانفرنس میں آپ کیا خاص بات لے کر شریک ہو رہے ہیں؟"

علامہ نے جواب دیا:

"میرے پاس اور کچھ نہیں لیکن قرآن ہے، میں اس کو پیش کروں گا۔"

قرآن پاک کی تلاوت خوش الحانی سے روزانہ کرتے چنانچہ ان کے عمر بھر کے خادم میاں علی بخش سے ۲۰ ستمبر ۱۹۵۲ء کو جبکہ انٹرویو لیا جب روزانہ کے معمولات پر گفتگو کی گئی اور جناب حسن نے پوچھا کہ

"لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ کیا کرتے تھے؟"

تو فرمایا: "وہ کبھی پسند کرتے تو شعر کہتے تھے۔ اس مقصد کیلئے وہ حسبِ معمول اپنی بیاض، ایک پنسل اور قرآن مجید طلب کرتے۔"
(اوراقِ گم گشتہ صفحہ ۳۰)

قرآن کی تلاوت کے وقت آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور روتے روتے برا حال ہو جاتا۔ تلاوت کے ساتھ قرآن پر تدبر و تفکر بھی کرتے اس لئے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ بغیر غور و خوض کے آپ قرآن کی شرح تفسیر کر پاتے۔ چنانچہ مرزا جلال الدین صاحب بیرسٹر نے ایک مضمون میں علامہ مرحوم کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"مطالب قرآن پر ان کی نظر ہمیشہ رہتی۔ کلام پاک کو پڑھتے تو اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرتے بلکہ نماز کے دوران میں جب با آواز بلند پڑھتے تو وہ آیات قرآنی پر فکر کرتے اور ان سے متاثر ہو کر رو پڑتے۔ ڈاکٹر صاحب کی آواز میں ایک خاص کشش تھی۔ جب وہ قرآن پاک کو آواز بلند پڑھتے تو سننے والوں کا دل پگھل جاتا۔"
(سیارہ ڈائجسٹ دوم صفحہ ۲۳۷)

الفاظ قرآن پر آپ کو کس قدر ایقان تھا اس کا اندازہ پروفیسر لوکس کے سوال اور آپ کے جواب سے ہو سکتا ہے۔ پروفیسر موصوف نے آپ سے پوچھا کہ "آپ کے نزدیک آپ کے نبیؐ پر قرآن کا مفہوم نازل ہوتا تھا جسے وہ اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے تھے یا الفاظ بھی نازل ہوتے تھے؟"

علامہ نے صاف جواب دیا: "میرے نزدیک قرآن کی عبارت عربی زبان میں آپؐ پر نازل ہوتی تھی یعنی قرآن کے مطالب بھی

نہیں بلکہ الفاظ بھی الہامی ہیں؟

ڈاکٹر کزنس نے اس پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: آپ جیسا عالی پایہ شخص بھی الہام لفظی پر اعتقاد رکھ سکتا ہے یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔"

علامہ نے ارشاد فرمایا "اس معاملے میں میں کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوں۔ مجھے تو خود اس کا تجربہ ہے۔ میں

پیغمبر نہیں ہوں محض شاعر ہوں جب مجھ پر شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو مجھ پر بنے بنائے اور ڈھلے ڈھلائے شعر اترنے لگتے ہیں اور میں انہیں بجنسہٖ نقل کر لیتا ہوں۔ بارہا ایسا ہوا کہ میں نے ان اشعار میں کوئی ترمیم کرنی چاہی لیکن میری ترمیم اصل اور ابتدائی نازل شدہ کے مقابلے میں ہیچ نظر آئی اور میں نے شعر کو جوں کا توں رکھا۔ جس حالت میں ایک شاعر پر پورا شعر نازل ہو سکتا ہے تو اس میں کیا مقام تعجب ہے کہ آنحضرت صلعم پر قرآن کی پوری عبارت لفظ بہ لفظ نازل ہوئی تھی؟"

(ذکر اقبال ص ۹۹ از عبدالمجید سالک)

خواجہ حسن نظامی کے "آسان قاعدہ" پر اپنی رائے کا اظہار خواجہ صاحب کے نام ایک خط میں یوں کیا:

جناب خواجہ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

قرآن آسان قاعدہ بظاہر خوب معلوم ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ ضرور کرنا چاہیے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ تجربے میں مشکلات کا سامنا ہو گا۔ کیا آپ نے اپنے بچوں میں سے کسی کو اس قاعدہ کے مطابق قرآن شریف پڑھایا ہے؟ اگر آپ نے ایسا کیا تو مجھے یقین ہے کہ اور مسلمان بھی اس قاعدہ سے مستفید ہوں گے۔ میں نے کبھی بچوں کو خود قرآن شریف نہیں پڑھایا، اس واسطے ان مشکلات سے ناواقف ہوں جو استادوں کو پیش آیا کرتی ہیں۔

محمد اقبال

لاہور [illegible] ستمبر [illegible]

(اوراق گم گشتہ ص ۳۶)

تشکیل الہیات اسلامیہ علامہ مرحوم کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اس کتاب کی خصوصیات کا تعلق اسلام، فلسفہ اور مذہب سے ہے اور غالباً یہ پہلا نظام ہے جو خالصتاً قرآن پاک کے فلسفۂ الہیات کے مطابق ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اقبال نے مخصوص طور مدرکات انسانی کی جانب ترجیح کی ہے قرآن ہی کی پاکیزہ تعلیم کی اتباع میں کی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"ہمارے ذہن اور خارج کی خصوصیات سلسلۂ ایک ہی حقیقت کے مختلف آیات ہیں جو اول و آخر بھی ہے اور ظاہر و باطن بھی۔"

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ قرآن کے ھو الاول والآخر والظاہر والباطن ہی سے ماخوذ ہیں ایک اور جگہ الہیات اسلامیہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علمائے اسلام نے قرآن پاک کا مطالعہ بھی فلسفۂ یونان ہی کی روشنی میں کیا مگر یہ بات کہ تعلیمات قرآن کی روح یونانیت سے سرتاسر خلاف ہے، ان کو بھی دو سو سال کے بعد معلوم ہوئی وہ بھی پورے طور پر نہیں۔ الغرض اسی انکشاف کا نتیجہ تھا کہ فلسفۂ یونان کے خلاف ردعمل شروع ہوا جس کی اہمیت کا اندازہ آج تک نہ ہو سکا۔ یہ کچھ اس انجذاب اور کچھ غزالی کے ذاتی حالات کا تقاضا تھا کہ امام موصوف نے مذہب کی بنا فلسفیانہ تشکیک پر رکھی حالانکہ ان کا یہ خیال کلیۃً قرآن پاک کی تعلیمات سے نہ تو مطابق ہے اور نہ اس کو مذہب کا کوئی مضبوط اور پائیدار اساس قرار دینا ممکن ہے۔"

پیام مشرق "جرمنی کے شاعر گوئٹے کے دیوان کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اقبال مرحوم اس کے دیباچے میں اپنا خیال یوں ظاہر کرتے ہیں:

"مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق نے صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد آنکھ کھولی ہے مگر اقوام مشرق کو

یہ محسوس کر لینا چاہیئے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔

قدرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے، زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنی فارسی تصانیف میں اسی صداقت کو پیش نظر رکھنے کی کوشش کی ہے:

علامہ اقبال نے اپنی پوری شاعری میں یہ احساس اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان اگر شوکت رفتہ کو بحال کرنا چاہتے ہیں تو اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ قرآن کو زندگیوں میں نافذ کیا جائے۔ ان کی ذلت و نکبت کی واحد وجہ قرآن سے دوری اور اس سے بے تعلقی ہے:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

یورپ سے ایک خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس دور کیلئے بھی رومی کا پیام صرف قرآن ہے۔ سوال و جواب دونوں سے لطف اٹھایئے اور دیکھئے کہ قرآن بننے کیلئے کون سی غذا تجویز کی ہے:

سوال:

ہم خوگرِ محسوس ہیں ساحل کے خریدار
اک بحرِ پر آشوب و پر اسرار ہے رومی
تو بھی ہے اسی قافلۂ شوق میں اقبال
جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومی...

جواب:

کہ نباید خورد و جو ہمچوں خراں
آہوانہ در ختن چر ارغواں

ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود
ہر کہ نورِ حق خورد قرآں شود

آپ کے مشورے

جی ہاں! آپ کے قیمتی مشوروں کی ہمیں بے حد ضرورت ہے۔

(۱) حیات نو کو معیاری اور بہتر بنانے کے سلسلے میں

(۲) حیات نو کے خصوصی نمبرات کے سلسلے میں

(۳) حیات نو کو مالی لحاظ سے مستحکم بنانے کے سلسلے میں۔

ہمیں آپکے تحریری مشوروں کا انتظار رہیگا۔

شکریہ

(ادارہ)

اسلام میں کامیابی کا تصور

سید راشد علی حامدی

دنیا کی کوئی بھی تحریک ہو خواہ وہ دنیاوی زندگی سے متعلق ہو یا اخروی زندگی سے، اس کا تعلق معاش سے ہو یا مادے سے، اپنے آغاز کار ہی میں ایک کامیاب انجام کا تصور رکھتی ہے اور یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے۔ ہر تحریک اپنے دائرۂ کار اور میدان عمل کے مطابق اپنے نصب العین اور مقاصد کا تعین کرتی ہے اور انہی مقاصد کے حصول کو در اصل کامیابی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور انہی مقاصد اور نصب العین کے اختلاف کی بنا پر ہر تحریک کامیابی کے ایک جداگانہ تصور کی حامل ہوتی ہے۔

موجودہ دور میں اشتراکیت اور سرمایہ داری دو ایسے نظام حیات ہیں جو دنیا میں سب سے زیادہ رائج و مقبول ہیں۔ یہ دونوں مادہ پرستانہ تحریکیں ہیں جو اپنے طریقۂ کار کی بنا پر متضاد نظر آتی ہیں لیکن بغور دیکھا جائے تو ان میں مقاصد کی یکسانیت اور نصب العین کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ان کی بنیاد و اساس زندگی کی "معاشی سرگرمیوں" اور "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فلسفۂ مابعد الطبیعات پر قطعاً یقین نہیں رکھتیں اور مسلسل اخلاقی و روحانی اقدار کی بیخ کنی میں لگی رہتی ہیں۔ لیکن ان تمام سرگرمیوں اور کوشش کے باوجود وقتی کامیابی سے قطع نظر وہ اپنے مقاصد میں بری طرح ناکام نظر آتی ہیں۔ آج دنیا میں کتنے انسان ہیں جنکے پاس نہ تو ستر پوشی کے لئے کپڑا ہے اور نہ پیٹ بھرنے کے لئے روٹی، دنیا اس وقت افراط زر اور معاشی بحران کا شکار ہے۔

تجربہ نے بتایا ہے کہ اگر خالص مادی فائدہ پیش نظر ہو اور اس کی پشت پر کوئی اعلیٰ اخلاقی و روحانی نظام موجود نہ ہو تو محض مادی فائدہ بھی انسان کو حاصل نہیں ہوتا۔ مشہور مصنف آرنلڈ ٹائن بی ARNLD TOYN BEE سیکولرزم کے نتائج کا جائزہ لے کر اس کی ناکامی کا اعتراف ان لفظوں میں کرتا ہے:

"یہ اب واضح ہو گیا ہے کہ اگر صرف دنیاوی ترقی کو مقصد زیست بنایا جائیگا تو اس میں فرد کی خوشحالی اور دنیاوی سکون کا حصول بھی ناممکن ہے۔ ہاں یہ قابل فہم ہے کہ اگر سیکولرزم سے بلند و بالا کوئی مقصد سامنے رکھا جائے تو ایک ضمنی نتیجہ کی حیثیت سے دنیاوی خوشی بھی انسان کو حاصل ہو جائیگی۔"

(ARNLD TYNE BEE, CHRISTIANITSE AMONG THE RELIGIOUS OF WORLD P.56)

غرضیکہ اس وقت دنیا میں جتنے بھی مذاہب پائے جاتے ہیں وہ یا تو انسانی زندگی کے بعض مخصوص مسائل سے بحث کرتے ہیں جیسے جمہوریت اور سرمایہ داری جو سیاسی اور اقتصادی نظریات ہیں یا پھر وہ مابعد الطبیعی زندگی کی بشارت دیتے ہیں جیسے عیسائیت لیکن اسلام چونکہ ایک ایسی تحریک ہے جو تفریق دین و دنیا کی قطعاً قائل نہیں ہے۔ اس کے احکام و قوانین کا دائرہ مسجد سے لے کر بازار تک اور پھیلتے پھیلتے میدان کارزار اور بین الاقوامی معاملات تک وسیع ہوتا چلا جاتا ہے جبکہ اسلام بیک وقت دو کامیابیوں کا مژدہ سناتا ہے۔ اس کے نزدیک کامیابی کا تصور بالکل

جدا گانہ ہے۔ ایک طرف وہ دنیا میں نظام اسلامی کے نفاذ و اجرا اور سیاسی غلبہ و اقتدار کے حصول کو کامیابی قرار دیتا ہے تو دوسری طرف اخروی زندگی میں رضائے الٰہی کے حصول اور آخرت میں فلاح و کامرانی کو کامیابی سے تعبیر کرتا ہے۔

قرآن مجید کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام نے موخرالذکر کامیابی یعنی خدا کی خوشنودی رضائے الٰہی کا حصول اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے انعام و اکرام کو ہی عظیم کامیابی قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو کیا میں تمہیں وہ تجارت بتاؤں جو تم کو عذاب الیم سے نجات دلا دے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم حقیقت شناس ہو۔ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور تم کو سدا بہار باغات میں داخل کرے گا اور ابدی قیام کی جنتوں میں تمہیں بہترین گھر عطا فرمائے گا۔ یہی ہے وہ بڑی کامیابی۔ اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی عطا کرے گا یعنی اللہ کی نصرت اور قریب حاصل ہونے والی فتح (سورۃ صف ۱۰-۱۳)

مندرجہ بالا آیت کے ترجمے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ آخرت میں گناہوں کی بخشش اور جنت کا حصول ہی دراصل فوز عظیم ہے اور دنیا میں مشرکین کی شکست و ہزیمت اور مومنین کے لئے فوز و فلاح کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے صالح اور نیکوکار بندوں سے استخلاف فی الارض کا وعدہ تو ضرور فرمایا ہے لیکن یہ چیز مقصود بالذات نہیں بلکہ عرضاً و ضمناً مطلوب ہے۔ قرآن مجید میں بار ہا مقامات پر کامیابی کے اسی تصور کو پیش کیا گیا ہے کہ دنیا کی کامیابی و ناکامی کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ اصل کامیابی و سرفرازی آخرت کی کامرانی و فائز المرامی ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیز دنیا میں پیش آنے

ہونے والی ہے اس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے اور جو چیز آخرت میں پیش آنے والی ہے اس کا ذکر مقدم رکھا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا

اور جنہوں نے عمل صالح کئے ان کے لئے دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے اور پرہیزگاروں کا گھر کیسا اچھا ہے۔ (نحل ۴)

جن لوگوں نے خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانیاں پیش کیں ان کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا گیا

پس اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب آخرت کا ثواب دونوں عطا کیا اور اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے۔ (آل عمران ۱۵)

خدا کی راہ میں گھر بار چھوڑنے، خوشی خوشی مشکلات و مصائب کو جھیلنے والوں کو دونوں جہان کی نعمتوں کی بشارتیں دی گئی ہیں

اور جنہوں نے خدا کی راہ میں ستائے جانے کے بعد گھر بار چھوڑ دیا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور بے شک آخرت کی مزدوری سب سے بڑی ہے (نحل ۶)

ان تمام آیتوں کے ترجمے سے جو بات واضح ہوئی ہے وہ یہ کہ خدائے تعالیٰ نے مومنین کو دنیا و آخرت دونوں میں بھلائی کی امید دلائی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ دنیا کی بھلائی بہر حال آخرت کی بھلائی سے کمتر اور ناپائدار ہے

کامیابی کا یہی تصور ہے جو مومنین کو دنیاوی انجام سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔ اس کے تمام اعمال و وظائف کا انحصار تصور آخرت پر ہوتا ہے چنانچہ مومن ہر روز نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے اور دنیا میں اس کا کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ پورا ایک ماہ کے مسلسل روزے رکھتا ہے لیکن اس سے اس کا مقصد کسی مادی فائدہ کا حصول نہیں ہوتا۔ وہ اپنی کمائی خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے خیرات کرتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے لیکن وہ اس کے لئے دنیا میں کسی بدلے کی توقع نہیں رکھتا۔ وہ حج کیلئے دور دراز اور پر صعوبت سفر طے

کرتا ہے لیکن وہ دنیا میں کسی اجر و ثواب کا طالب نہیں ہوتا۔ قرآن میں واضح طور سے اعلان کیا گیا ہے

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دینی رفیق ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں۔ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور رحم کریگا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور حکمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغات کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا جو کہ ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گے اور ان نعمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی چیز اور بڑی کامیابی ہے۔"

اور آگے فلاح و کامرانی کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی:

اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی عظیم ترین کامیابی ہے۔

لیکن جو لوگ خدا کی خوشنودی و رضا جوئی کے بجائے حصول دنیا کو مقصود بنا لیتے ہیں انکو دنیا تو مل جائے گی مگر آخرت ہاتھ نہ آئے گی۔ فرمایا گیا:

جو کوئی دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش چاہے تو ہم ان کے عمل ان کو اسی دنیا میں بھر دیتے ہیں اور کمی نہیں کی جاتی یہ وہ ہیں جنکے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں اور وہاں جو کچھ کیا تھا وہ ضائع ہو گیا اور ان کی کمائی اکارت گئی۔ (ہود ۲)

غرضیکہ پورا دین کامیابی کے اسی تصور کے گرد گھومتا ہے فرمایا گیا:

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہو تو ہم دنیا میں بھی ہم اسکو کچھ دیدیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ (شوریٰ ۲)

دنیاوی کامیابی اور سیاسی غلبہ و اقتدار اس قدر بے حقیقت اور ناقابل التفات ہے کہ قرآن مجید میں ایسے انبیاء و صالحین کا ذکر بار بار کیا گیا ہے جو عمر بھر دعوت حق اور شہادت حق کا فریضہ انجام دیتے رہے جن کا مقصود زندگی ہی اعلائے کلمۃ اللہ اور زمین پر خدائے واحد کی حکمرانی قائم کرنا تھا لیکن مرتے مر گئے لیکن ان کی زندگی میں کوئی ان کا ہمنوا نہ بن سکا۔ ان کی دعوت و پکار بہرے کانوں نے سن کر رد کر دی۔ پھر بھی قرآن مجید میں انہیں مفلحین و فائزین کے خطابات سے نوازا گیا ہے۔ انکو انسانیت کے گل سرسبد اور کامیاب ترین انسان کی حیثیت سے پیش کیا گیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر مومن رضائے الٰہی کی خاطر عمر بھر دعوت حق کا فریضہ انجام دیتا رہا اور وہ دنیا میں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ کر سکا تو بظاہر لوگوں کی نظروں میں وہ ناکام ہو گیا لیکن قرآن کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو وہ کامیاب ترین انسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے والے مومنین، انبیاء و صالحین کی اس دنیاوی ناکامی سے بد دل ہو کر نہیں بیٹھ جاتے بلکہ ان قرآنی قصوں سے مومنین کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور پہلے سے بھی جاں سپاری کے ساتھ حق کی تبلیغ و اشاعت میں لگ جاتے ہیں کیونکہ اسلام کی کامیابی کا فلسفہ ہی الگ ہے۔

کسی بگڑے ہوئے ماحول، معاشرے یا سوسائٹی میں اصلاح و تبلیغ کا کام بڑا ہی جانگسل کام ہے۔ قدم قدم پر مخالفتوں اور اعتراضات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ کی تشریعی حاکمیت سے بے خبر اسلامی نظام حیات کے نفاذ و اجراء سے بے پرواہ رات دن مسلسل فریضۂ شہادت حق کی انجام دہی میں مصروف رہنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ ہر ہر قدم پر مزاحمتیں، گھر، خاندان، قوم اور باطل حکومت کی مخالفتیں اس کی راہ روکتی ہیں مگر صالحین بے دست و پا بسا اوقات آبلہ پا راہ کے پتھروں اور خاروں کو پھولوں کی سیج سمجھ کر برابر آگے بڑھتے رہتے ہیں اصلاح کا کام کرنے والا ایک فی قوم کے تناسب سے کام شروع

ترک ہے، وہ ہیرے کی آرزو میں پتھروں کو تراشتا رہتا ہے کہ دنیا اس کے پھولوں کی خوشبو محسوس کرے، کوئلہ کے ڈھیر میں قیمتی پتھروں کی تلاش کرتا رہتا چلا جاتا ہے۔ اسے اس بات کی بالکل پرواہ نہیں ہوتی کہ کون اس کا ساتھ دے رہا ہے اور کون اسکی مخالفت۔ وہ اپنے عمل سے "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلہم بالتی ھی احسن" کی بہترین تفسیر پیش کرتا ہے اور احسن سے احسن طریقہ سے دعوت دین اور شہادت حق کے فریضہ کی انجام دہی میں مصروف رہتا ہے۔ یہ بجائے خود بڑی کامیابی ہے خواہ اس کی دعوت کے ظاہری نتائج چند افراد کی دعوت و اصلاح ہی تک کیوں نہ محدود ہو یا اسے اپنی زندگی میں کسی کی بھی ہم نوائی حاصل نہ ہو سکی ہو۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کی دعوت ان کے چند حواریوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی لیکن قرآن مجید نے ان کو فائزین میں شمار کیا ہے۔

"یوں مستقل مزاجی کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہنا اور مخالفتوں کی پرواہ نہ کرنا خود بڑی کامیابی ہے کیونکہ اسلام تک ہر فرد کی کامیابی اسکے فریضہ کی ادائیگی کے معیار کے مطابق جانچی جاتی ہے نہ کہ معاشرے میں کئے گئے کام کی نسبت سے دعوت دین کے علمبردار اور دعوت اسلامی کے مبلغ کا پہلا فریضہ حق بات کو دوسروں تک احسن طریقہ سے پہنچا دینا ہے اور اسی نقطۂ نظر سے وہ جانچا جائے گا کیا اس نے رسائی کی حد تک قوم کے ہر ہر فرد تک دعوت پہنچائی۔ احسن طریقہ پر پہنچائی۔ تمام موانع و مشکلات کو صبر کے ساتھ برداشت کر کے پہنچائی اگر اس نے یہ کام اپنے دعوتی نظم اور حلقۂ کار کی حد تک ٹھیک ٹھیک انجام دے دیا تو وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کامیاب ہو گیا" ۔لہ

کامیابی اور ناکامی کی ان اخلاقی تعبیرات کے باوجود دعوت دین کی یہ کامیابی کہ اسلام پوری دنیا میں غالب ہو اللہ اور اس کے رسول کے احکام و قوانین خدا کے بندوں پر بالفعل نافذ ہوں اور دنیا میں مسلمانوں کو حکومت و قیادت اور سیاسی غلبہ و اقتدار نصیب ہو، انسان کے فطری جذبات سے اس قدر قریب تر ہے کہ جس سے کسی بھی صورت میں انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایک بندۂ مومن کی سب سے بڑی خواہش بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ جس کام میں لگا ہوا ہے اس کے منتہائے مقصود تک پہنچ جائے۔ اس کی سب سے بڑی آرزو اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ جس مقصد کو لے کر اٹھا ہے جس کے لئے وہ رات دن ایک کئے ہوئے ہے، جان و مال کی قربانیاں پیش کر رہا ہے اس کی راہ کی مشکلات و مصائب کا خندہ پیشانی سے استقبال کر رہا ہے اس کا کچھ تو ثمرہ وہ اپنی زندگی میں پالے۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے وہ اس جذبہ کی قدر کرتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں بار بار مقامات پر مومنین کو دنیاوی کامیابی کی بشارتیں دی گئی ہیں۔ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"اس دنیا میں اللہ کی ایک بڑی نعمت حکومت و سلطنت اور دنیا کی سیاست ہے۔ یہاں تک کہ کتاب و نبوت کے بعد اسی کا درجہ ہے۔" (سیرت النبیؐ جلد ہفتم صفحہ ۷۲۳)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"دیکھو کہ آپ کی دعوت کا مقصد محض کوئی انسانی بادشاہی نہ تھی بلکہ روئے زمین پر خدائے واحد و برحق کی بادشاہی کا قیام تھا اسی لئے اسلام دین و دنیا اور جنت ارضی و جنت سماوی اور آسمانی بادشاہت اور زمین کی خلافت دونوں کی دعوت لے کر اول ہی روز سے پیدا ہوا۔"

(سیرت النبیؐ جلد ہفتم صفحہ ۴۸)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام کی دعوت لے کر اٹھے تو آپ نے صرف اخروی زندگی کی کامیابی کی خوشخبری نہیں سنائی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں اسلام کے غلبۂ اقتدار اور حکومت و سلطنت کی بھی بشارتیں دیں تاکہ خدا اور اس کے رسول کے احکام و قوانین خدا کے بندوں پر بالفعل نافذ ہو سکیں اور خدا کے بندے اس کی بندگی و اطاعت بے خوف و خطر اور اطمینان قلب کے ساتھ کر سکیں۔ قرآن مجید میں واضح طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔

لہ مستفاد از تحریک اسلامی میں کامیابی کا تصور۔ اسعد گیلانی

خدا نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کو زمین میں حاکم بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے لئے ان کے اس دین کو جس کو ان کے واسطے پسند کیا ہے جما دیگا اور ان کو ان کی بے امنی کے بدلے امن دیگا۔ میری بندگی کریں گے۔ میرا کسی کو ساجھی نہ بنائیں گے

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا۔

غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے اور اللہ زبردست دانا و بینا ہے

ان آیتوں (کے ترجموں) میں واضح طور پر مومنین کو دنیاوی فتح و کامرانی کی بشارتیں دی گئی ہیں۔ سورۂ آل عمران میں دعائیہ انداز میں فرمایا گیا:

اے اللہ سلطنت کے مالک! تو جس کو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ بھلائی تیرے ہی اختیار میں ہے (آل عمران ۳)

قرآن مجید میں خدا کے نیک بندوں کی دعا یہ بتائی گئی ہے

اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی، اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے (بقرہ ۲۵)

آخرت کی بھلائی تو واضح ہے، دنیا کی بھلائی کو مفسرین نے فتح و نصرت، حکومت و اقتدار، مال و ثروت، قدر و منزلت اور عزت و ناموری سے تعبیر کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی بھلائی سے مراد حکومت الٰہیہ کا قیام ہے۔

یعنی یہ چیز اول روز ہی سے طے شدہ تھی کہ اسلام دنیا میں غالب و نافذ ہونے کے لئے آیا ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز دعوت ہی میں یہ مژدہ سنا دیا تھا کہ مومنین کیلئے آخرت کی کامرانی تو طے شدہ امر ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں عرب و عجم کی سلطنتیں بھی ان کے زیر نگیں ہونگی۔ یہی وجہ تھی کہ سرداران قریش حضورؐ کی پہلی ہی پکار پر بلبلا اٹھے تھے۔ ان کو یہ بات گراں گزری تھی کہ کوئی ان کی سیادت و قیادت پر ضرب کاری لگائے۔ چنانچہ وہ ایک وفد کی شکل میں آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنے بھتیجے سے صلح کرا دیں۔ ابو طالب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور فرمایا، جان عم! یہ سرداران قریش آئے ہیں وہ کچھ شرائط پر تم سے صلح چاہتے ہیں۔ آپ تمام مطالبات سننے کے بعد فرماتے ہیں۔

اے سرداران قریش! اگر تم میری ایک بات مان لو تو پھر عرب و عجم تمہارے زیر نگیں ہوگا

ابو جہل نے تلملا کر کہا ہم ایک نہیں دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا، یہ مان لو کہ خدائے واحد کے ماسوا کوئی خدا نہیں اور خدا کو چھوڑ کر تم جن معبودان باطل کو پوجتے ہو ان سے دستبردار ہو جاؤ۔

حضرت عثمان بن عفانؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ عقبہ بن معیط، ابوجہل اور امیہ بن خلف حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے جب حضورؐ ان کے پاس سے گزرتے تو کلمات بد زبان پر لاتے۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ آخری بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرۂ متغیر کے ساتھ کہا بخدا تم اس سے باز نہ آؤ گے کہ خدا کا عذاب جلد تم پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ ہیبت یہ تھی کہ پس کوئی نہ تھا جو کانپ نہ رہا ہو۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے تو حضرت عثمان اور دوسرے آپ کے ساتھ ہو لئے اس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب سے خطاب کر کے فرمایا:

"تم لوگوں کو بشارت ہو، اللہ ضرور اپنے دین کو غالب کرے گا اور اپنے کلمہ کی تکمیل کرے گا اور یہ لوگ جنہیں

تم دیکھتے ہو اللہ تعالیٰ بہت جلد ان کو تمہارے ہاتھوں ذبح کرائے گا۔ (محسن انسانیت ۱۸۔ ۲۱۷)

غور کیجئے کس یاس انگیز ماحول میں کامیابی و فتح و نصرت کی بشارت دی جا رہی ہے اور پھر یہ پیشن گوئی کس قدر جلد پوری ہوتی ہے کوئی شخص اس کا گمان بھی نہ کر سکتا تھا۔

حج کے موسم میں آنحضورؐ ایک ایک خیمہ کے پاس جاتے اور بآواز بلند ان الفاظ میں اسلام کی دعوت پیش کرتے:

"اے لوگو! کہو خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، تم کامیاب ہو گے۔ عرب تمہاری بادشاہی میں ہو گا، عجم تمہارے تابع فرمان ہو گا اور تم جنت کے بادشاہ ہو گے"

(طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ ۲۱۶)

بیعت عقبہ میں جب مدینہ کے چند نفوس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کیلئے آئے تو اسعد بن زرارہؓ انصاری نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا:

ٹھہرو اے اہل یثرب ہم لوگ جو ان کے پاس آئے ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور آج انہیں یہاں سے نکال کر لے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجے میں تمہارے نونہال قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر چلیں گی۔ لہذا اگر تم اسکو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ پکڑو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر چھوڑ دو اور صاف صاف عذر کر دو خدا کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔

جب اس پر تمام وفد نے بالاتفاق کہا: "انا ناخذہ علی مصیبۃ الاموال وقتل الاشراف" تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ اب آپ اپنی شرطیں پیش کیجئے جب آپ اپنی شرطیں پیش کر چکے تو ان میں سے ایک نے بآواز بلند کہا کہ "رسول اللہ یہ سب منظور مگر ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا؟" فرمایا،

"جنت اور فتح و نصرت"

غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے ایک سخت چٹان راہ میں حائل ہو گئی جو کسی سے ٹوٹنے کا نام نہ لیتی تھی۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کدال ہاتھ میں لے کر تین مرتبہ چٹان پر ضرب کاری لگاتے ہیں اور ہر ضرب پر چٹان سے جو چنگاری نکلتی ہے اس کی روشنی میں آپ کو بالترتیب کسریٰ، قیصر اور حبش کے شہر نظر آتے ہیں اور ہر مرتبہ بآواز بلند فرماتے ہیں "اللہ کا وعدہ پورا ہوا"

"اسلام کا آغاز جس بے اطمینانی و بے سروسامانی کے ساتھ ہوا، اس سے کسی وقت یہ خیال ہو سکتا تھا کہ چند بھٹے، خانماں غریب الدیار مسلمانوں کے بازوؤں میں چند ہی سال بعد یہ زور آئے گا کہ وہ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیں گے۔ لیکن مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی وقت خبر دی تھی کہ مسلمانو تم قسطنطنیہ فتح کرو گے۔ مدائن تمہارے ہاتھ آئے گا، قیصر و کسریٰ کے خزانے تمہارے تصرف میں آئیں گے۔ مصر کا تخت تم کو ملے گا تم سے اور ترکوں سے جن کی آنکھیں چھوٹی اور چہرے چوڑے ہوں گے، جنگ ہو گی۔ ہندوستان تمہاری فوجوں کا میدان جہاد اور بحر روم تمہارے جنگی جہازوں کی جولانگاہ بنے گا، بیت المقدس کی کنجی ایک دن تم کو ملے گی"

(سیرت النبیؐ جلد سوم پیشگوئیوں کا باب)

چنانچہ عہد رسالت میں جس سلطنت کی بنیاد آنحضورؐ نے ڈالی تھی، اس سادہ اور مساویانہ طرز حکومت اور نظام حکومت نے ایک عظیم الشان سلطنت کی شکل اختیار کر لی اور خلافت راشدہ کے عہد میں اس سلطنت نے اس قدر وسعت اختیار کر لی کہ اس کا ایک سرا ہندوستان و چین سے ملتا تھا تو دوسرا سرا جبرالٹر سے۔

(باقی آئندہ)

علامہ یوسف القرضاوی
مترجم: حافظ نعیم الدین اصلاحی

انتہا پسندی — حقیقت — الزام

علمائے منطق کا کہنا ہے کہ کسی بھی چیز پر حکم لگانے کیلئے ضروری ہے کہ ان کو اس کا علم حاصل ہو کیونکہ کسی بھی نامعلوم چیز پر حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس طرح ان چیزوں پر بھی حکم لگانا مشکل ہے جنکی حقیقت و ماہیت مختلف فیہ ہو اور انکی حقیقی تصویر نگاہوں سے اوجھل ہو۔

لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے "التطرف الدینی" یعنی انتہا پسندی کے معنی، اسکی حقیقت اور اس کی نمایاں خصوصیات پر روشنی ڈالیں۔

تطرف کے لغوی معنی کنارہ کش ہونے اور اعتدال و توازن سے دور رہنے کے آتے ہیں۔ اصلاً تو یہ لفظ محسوسات میں بے اعتدالی مثلاً کھڑے، بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں بے اعتدالی کیلئے بولا جاتا تھا بعد میں سے یہ لفظ معنوی بے اعتدالی کے لئے بھی بولا جانے لگا جیسے فکر و عقیدہ اور سیرت و کردار کی بے اعتدالی۔

تطرف خواہ مادی ہو یا روحانی دونوں شکلوں میں اس کا نتیجہ بھیانک اور تباہ کن ہوتا ہے اور اس کا کوئی حاصل نہیں ہوتا۔

اسلام میں اعتدال پسندی

اسلام ایک معتدل نظام زندگی ہے وہ زندگی کے ہر شعبے میں خواہ تصور و اعتقاد ہو عبادت و تقویٰ ہو سیرت و کردار یا باہمی لین دین اور قانون سازی ہو، ہر ایک میں اعتدال توازن اور کشادہ ظرفی کا درس دیتا ہے۔

یہی وہ نظام زندگی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے "صراط مستقیم" کا نام دیا ہے۔ اس کے علاوہ جتنے بھی مذاہب ہیں وہ غیر متوازن انتہا پسند ہیں ان کا شمار "مغضوب علیہم" اور "ضالین" میں ہوتا ہے۔

توسط، اعتدال اور کشادہ ظرفی اسلام کی ایک اہم خصوصیت اور امت مسلمہ کی ایک بنیادی صفت ہے جس میں وہ تمام ملتوں سے نمایاں اور ممتاز رہتی ہے۔ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو"۔ معلوم ہوا کہ یہ امت امت وسط ہے اعتدال اور توازن کی دعوت دیتی ہے اور صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے منحرف عقائد و نظریات کی نشاندہی کرتی ہے۔

شرعی اصطلاح میں تطرف کے معنی

جس طرح اسلام توازن اور اعتدال کی تبلیغ کرتا ہے، اسی طرح تطرف سے باز بھی رکھتا ہے تطرف کو شریعت کی اصطلاح "غلو و تنطع" اور "تشدد" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کا جو بھی شخص مطالعہ کرے گا اس کے سامنے یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ آئیگی کہ اسلام غلو، بے اعتدالی اور ہر طرح کے تعصب کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند حدیثیں پیش کی جائیں جن سے اسلام کا حقیقی موقف سامنے آجائے۔

۱۔ امام احمد نے اپنی مسند میں، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں، حاکم نے اپنی مستدرک میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: دین میں غلو سے پرہیز کرو۔ کیونکہ غلو کی وجہ سے گذشتہ قومیں ہلاک ہوئی ہیں۔

حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، اور مناوی نے فیض القدیر میں اسے نقل کیا ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

"گذشتہ قوموں" سے مراد اگلی امتیں ہیں جن میں نصاریٰ سرفہرست ہیں۔ قرآن نے انہیں خطاب کرکے فرمایا۔

"اے اہل کتاب دین میں بیجا غلو نہ کرو۔ بھٹکی ہوئی قوموں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو خود راہ اعتدال سے بھٹک گئیں اور بہتوں کو گمراہ کیا۔"

غلو سب سے پہلے چھوٹی چیزوں سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وہ دن آتا ہے جبکہ آدمی کی پوری زندگی پر غلو اور انتہا پسندی چھا جاتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

"پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رمی کیلئے کنکریاں منگائیں۔ حضرت ابن عباس نے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوٹی چھوٹی کنکریاں عنایت فرمائیں اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں۔ اسی طرح کی کنکریاں چاہئیں۔ دین میں غلو سے بچنا چاہیئے۔"

امت کیلئے کسی طرح بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ چھوٹی کنکریوں کی نسبت بڑی کنکریاں استعمال کرے کیونکہ اس طرح سے دین میں غلو اور انتہا پسندی کا دروازہ کھل سکتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"غلو سے مراد ہر قسم کا غلو ہے خواہ وہ ذکر و تلاوت ہو، عقیدہ و مسلک ہو یا عمل و کردار ہو۔ غلو کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے آتے ہیں۔ نصاریٰ نے اور ملتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ اخلاق اور عمل میں غلو کی روش اپنائی تھی جنھیں اللہ تعالیٰ نے "لاتغلوا فی دینکم" کے ذریعے منع فرمایا۔"

۲۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ "متنطعون ہلاک ہوگئے" امام سیوطی نے اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ متنطعون سے مراد وہ لوگ ہیں جو گفتار و کردار میں میدان عدل و انصاف چھوڑ بیٹھے ہیں۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ غلو اور افراط و تفریط کا انجام ہلاکت و بربادی ہے کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی خسارہ ہو سکتا ہے؟

۳۔ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر بھی سختی کی جائے گی۔"

گذشتہ قوموں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختیاں عائد کر دیں۔ چنانچہ آج گرجا گھر اور چرچ وغیرہ انھیں پابندیوں کے نتائج ہیں۔ تفسیر ابن کثیر آیت "رهبانية ابتدعوها" سورہ حدید۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں جب بھی فکر و نظر، اعتقاد و عمل کی کوئی غلطی دیکھی تو فوراً اس کی اصلاح کر دی اور ان کے سامنے دین و دنیا، روح و مادہ کی اس طرح عملی تعبیر پیش کی کہ ان دونوں کے درمیان ایک حسین و جمیل امتزاج نظر آنے لگا۔

اسلام نے مسلمانوں پر ایسی عبادتیں فرض کیں جنکے ذریعہ

فرد کے ظاہر و باطن کی اس طرح تربیت و تزکیہ ہو جائے کہ وہ روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے معاشرہ کو بام عروج تک پہنچا سکے اور اپنی پاکیزہ سیرت اور بے لوث کردار کے ذریعہ معاشرہ اور سماج میں اخوت بھائی چارہ، ہمدردی اور رحمت و مساوات کی خوشگوار فضا قائم کرے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ایک ہی وقت میں انفرادی عبادت بھی ہیں اور اجتماعی عبادت بھی۔ یہ عبادتیں ایک بندۂ مومن کو کشمکش حیات سے گریز اور فرار پر نہیں ابھارتیں بلکہ اسکے رشتے کو حیات و کائنات کے مسائل سے عملی اور شعوری اعتبار سے جوڑتی ہیں۔ اسلام میں اس رہبانیت کا کوئی تصور نہیں جو انسان کو زندگی اور اس کی لذتوں سے دور کردے اور اس کے لئے ہر طرح کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کردے۔

اسکے برخلاف اسلام اس پورے خطۂ ارضی کو ایک مسلم کے لئے وسیع محراب قرار دیتا ہے اور اس میں نیت کی پاکیزگی ارادے کے خلوص، جذبے کی صداقت اور حدود اللہ کی رعایت کے ساتھ کئے ہوئے ہر عمل کو عبادت اور جہاد کی تعبیر کرتا ہے۔

اسلام میں کسی بھی ایسے مذہب اور فلسفۂ حیات کی کوئی گنجائش نہیں جو روحانی زندگی اس کی صفائی ستھرائی، اس کے ارتقاء اور فکر آخرت کی راہ میں مادی وسائل و ذرائع کو بالکلیہ ہی نظر انداز کردے۔ قرآن کہتا ہے "اے میرے پروردگار تو مجھے دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی" حضور فرمایا کرتے تھے "خدایا میرے دین کی اصلاح کردے جس میں میرے معاملات کی حفاظت ہو اور میری دنیا کی اصلاح کردے جس پر میری معاشی زندگی کا انحصار ہے اور میری آخرت کو سنوار دے جس کی طرف مجھے جانا ہے"۔
صحیح مسلم

"تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے" متفق علیہ

اللہ تعالیٰ نے حلال روزی اور زینت و آرائش کو اپنے اوپر حرام قرار دینے پر صحابہ کرام کی سخت گرفت کی

مکی سورہ میں فرمایا "اے آدم کی اولاد ہر نماز کے وقت زینت و آرائش اختیار کرو اور کھاؤ پیو، حد سے تجاوز نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے نبی کہہ دو کہ کون ہے جو سامان زینت اور رزق حلال کو اپنے اوپر حرام قرار دے لے؟ (اعراف ۳۱)

مدنی سورہ میں مومنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے پاکیزہ روزیاں حلال قرار دی ہیں تم انہیں حرام مت قرار دو اور حد سے تجاوز نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ کھاؤ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں پاکیزہ روزیاں عطا کی ہیں اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو" مائدہ ۸۷ — ۸۸

یہ دونوں آیتیں دنیا سے لطف اندوز ہونے کے سلسلے میں امت مسلمہ کو اہم ہدایت دیتی ہیں اور اسی طرح ہر قسم کے غلو اور زیادتی سے باز رکھنے کی تاکید کرتی ہیں۔ اس طرح اللہ کے رسول نے بھی اپنے قول و عمل کے ذریعہ دین و دنیا کی تفریق کو مٹا دیا ہے۔ اور امت کے سامنے ایک معتدل اور متوازن نظام زندگی پیش کیا ہے۔

علم و عمل

خوب سمجھ لو کہ عمل علم کے اس طرح تابع ہے جیسے انسانی اعضا قوت باصرہ کے۔ علم کے ہوتے ہوئے قلیل عمل، جہالت پر مبنی عمل کثیر سے بہتر ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی مسافر اگر جنگل میں سے گزر رہا ہو اور اس کے راستوں سے خوب آشنا ہو مگر زاد راہ اسکے پاس کم ہو تو وہ اس کے لئے زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ زاد راہ زیادہ ہو مگر وہ راستے سے اجنبی ہو۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون ۔ یعنی
کہہ دو کہ کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں

(امام ابو حنیفہ)

عبید اللہ فہد
علی گڑھ

اخوان المسلمون ــ ایک جائزہ اور مطالعہ

عالم اسلام کا بحران

عثمانی خلافت کے زوال کے بعد ترکی میں الحاد و زندقہ اور مغرب زدگی کی جو وبا پھیلی اس کا اثر پورے عالم عرب اور عالم اسلام پہ پڑا۔ ردّ عمل کے طور پر عرب ممالک میں عربی قومیت اور وطنیت کے جذبات ابھرے۔ مختلف وطنی و قومی تحریکوں نے پر پرزے نکالے اور وطن پرستی کی آڑ میں الحاد و اباحیت، آوارہ خیالی اور مغرب پرستی کو خوب خوب ہوا دی

دین کا محاذ یوں تو پہلے سے ہی کمزور اور منفی نوعیت کا تھا۔ جو لوگ اسلام کے علمبردار تھے وہ خود اعتمادی سے محروم تھے۔ ان حالات کے آگے ڈگ ہی ڈال چکے تھے اور مغرب کے اس طوفان اباحیت اور آوارگی سے آنکھیں بند کر چکے تھے لیکن اس جدید مغربی ریلے نے تو انہیں خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ پورے مصر بلکہ پورے عالم عرب میں دین سے بیزاری، آخرت فراموشی اور مذہب کے استہزاء و تمسخر کی ہوا چل پڑی۔ دمشق یونیورسٹی میں علانیہ خدا کا جنازہ نکالا گیا۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کھلم کھلا اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع ہونے لگی۔ علی عبد الرازق کی رسوائے زمانہ کتاب الاسلام و الاصول الحکم (اسلام اور اصول حکمرانی) بازار میں آئی تو دین و سیاست کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینے کی تحریک کو زبردست تقویت ملی۔ طٰہٰ حسین کی کتاب "فی الشعر الجاہلی" نے قرآن کے بارے میں مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کئے۔ قاسم امین کی کتاب تحریر المرأۃ نے ان تمام آزادیوں کا مطالبہ کیا جو مغرب میں عورتوں کو حاصل تھیں۔ ہفت روزہ السیاسۃ نکلا جس نے تجدد پسندوں کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ بے لاگ ولپیٹ اس نے غیر عربی تہذیب کے احیاء اور مغربی تہذیب سے وابستگی کی دعوت دی۔ فیصل بن حسین نے بڑی ڈھٹائی سے اعلان کیا:

إنّ العرب كانوا عربا قبل محمد و موسیٰ (عرب محمد و موسیٰ علیہم السلام سے پہلے بھی عرب تھے)۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسلم نوجوان پارکوں اور تفریح گاہوں میں نماز پڑھتے ہوئے شرمانے لگے۔ جب حالات اس حد تک پہنچ گئے تو قدرت نے محمودیہ کے ایک نوجوان شیخ حسن البنا کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔

حسن البنا کی ولادت

حسن البنا ۱۹۰۶ء میں محمودیہ میں پیدا ہوئے۔ گھر کا ماحول خالص اسلامی تھا۔ چنانچہ والدین کی تربیت اور خود ان کی فطرہ صالحہ نے انھیں فسق و فجور اور بے حیائی کے خلاف شعلہ جوالہ بنا دیا۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی ایمان کی یہ چنگاری بھی بھڑکتی اور دہکتی گئی۔ بچپن ہی سے باطل کے خلاف صف آرا ہونے کے لئے تنظیمی کوششوں میں لگے دکھائی دیتے ہیں۔ اسکول میں انجمن اخلاق حسنہ کی تشکیل ہوتی ہے تو اس کے صدر منتخب ہوتے ہیں۔ جہاں کہیں جاتے ہیں، اصلاحی تنظیم قائم کرتے ہیں اور دعوت و تبلیغ میں لگ جاتے ہیں۔ جمعیت منع المحرمات و انجمن [illegible] اور محرمات)، جمعیت حصافیہ خیریہ (حصافی بھائیوں کی رضاکار انجمن)، جمعیت مکارم اخلاق، جمعیت الشبان المسلمین اور اسی طرح کی بے شمار انجمنیں قائم کیں اور منکرات کی روک تھام اور اخلاق و فضائل کے فروغ کے لئے بچپن ہی سے لگے رہے۔ دار العلوم کے آخری سال میں تقریس کا موضوع دیا جاتا ہے "تعلیم کے بعد آپ کیا کام کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اور اس

کے لئے کیا وسائل اختیار کریں گے؟" شیخ حسن البنا اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"میں داعی اور معلم بننا چاہتا ہوں۔ دن کو سال کے اکثر ایام میں مصر کی نئی نسل کو تعلیم دوں گا اور راتوں کو اور چھٹیوں کے ایام میں ان کے والدین کو دین کے مقصد سے آگاہ کروں گا۔ انہیں بتاؤں گا کہ سعادت کا سرچشمہ کہاں ہے؟ اور زندگی کی مسرتیں کیسے دستیاب ہوں گی اس غرض کے لئے ہر وہ وسیلہ اختیار کروں گا جو میرے بس میں ہوگا۔ تقریر سے، گفتگو سے، تالیف سے، کوچہ گردی اور بادیہ پیمائی سے، الغرض ہر موثر ہتھیار سے مدد لوں گا۔"

یہیں اس نوجوان کے جذبات جو تنہا اٹھتا ہے مگر ایک امت کی قوت بن کر اسلام کے خزاں رسیدہ گلستاں کو مدت قلیل میں ہرا بھرا کر دیتا ہے۔ پانی سے سیراب کرنے کے بجائے خون سے سیراب کرنے کی سنت کو زندہ کرتا ہے اور عاشقان پاک طینت کی ایک ایسی جماعت کھڑی کر دیتا ہے جو اس راہ کی تمام مشکلات و مصائب کو دیوانہ وار برداشت کرتی چلی جاتی ہے۔

شیخ حسن البنا مارچ ۱۹۲۸ء کو الاخوان المسلمون کے نام سے باقاعدہ ایک جماعت کی تشکیل کرتے ہیں جو چند ہی سالوں میں محنت و اخلاص کی برکت سے پورے شرق اوسط میں پھیل جاتی ہے اور لاکھوں سرفروش مجاہدین حق و صداقت شیخ موصوف کے پرچم تلے اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ صرف مصر میں اس کے باقاعدہ ممبروں کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے جبکہ متعلقین و ہمدردوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔

اخوان کی دعوت

اخوان کی دعوت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ پورے اسلام کو نافذ کیا جائے۔ اپنی پوری زندگی میں خدا کی عبادت کی جائے اور زندگی کے جملہ شعبوں کو اس کی روشنی میں از سر نو منظم کیا جائے

چنانچہ ۱۹۳۹ء میں قاہرہ میں جو پانچویں کانفرنس ہوئی اس میں اخوان کے ہمہ گیر مشن اور جامع دعوت کا تعارف کراتے ہوئے حسن البنا نے فرمایا:

"الاخوان المسلمون ایک سلفی دعوت ہے، اس لئے کہ اخوان اسلام کی ابتدائی صورت کی طرف پلٹنے کی دعوت دیتے ہیں اور کتاب اللہ اور سنت رسول کے اصل سرچشموں کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ ایک سنی مسلک بھی ہے کیونکہ تمام چیزوں میں بالخصوص عقائد و عبادات میں سنت رسول پر گامزن رہے۔

یہ تصوف کا ایک طائفہ بھی ہے، کیوں کہ یہ خیر کی اساس، دل کی طہارت، نفس کی پاکیزگی، عمل پر مداومت، مخلوق سے درگذر، اللہ کے لئے محبت اور نیکی کے لئے یگانگت کو ضروری سمجھتی ہے

یہ ایک سیاسی تنظیم بھی ہے کیونکہ اس کا مطالبہ ہے کہ حکومت کی اصلاح کی جائے۔ اس کی خارجہ پالیسی میں ترمیم کی جائے، رعایا کے اندر عزت و کرامت کی روح پھونکی جائے اور آخری حد تک ان کی قومیت کی حفاظت کی جائے۔

یہ ایک ورزشی ٹیم بھی ہے کیونکہ یہ صحت و تندرستی کا خیال رکھتی ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔

یہ ایک علمی و ثقافتی انجمن بھی ہے اس لئے کہ اخوان کے کلب فی الواقع تعلیم و تہذیب کی درسگاہیں اور عقل و روح کو جلا دینے کے ادارے ہیں۔

یہ ایک معاشی کمپنی ہے۔ اس لئے کہ اسلام نے خاص نقطۂ نظر کے تحت کسب مال کی ہدایت کی ہے اور اخوان نے اسلامی تعلیمات کے مطابق قومی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کے لئے تجارتی اور اقتصادی کمپنیاں قائم کر لی تھیں۔

یہ ایک معاشرتی اسکیم بھی ہے کیونکہ یہ معاشرہ کی بیماریوں پر دھیان دیتی ان کا علاج دریافت کرتی اور ست کو تندرست رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔

اس طرح تصور اسلام کی جامعیت نے ہمارے فکر کو تمام اصلاحی پہلوؤں کا جامع بنا دیا ہے۔"

رسالۃ التعلیم میں حسن البناؒ کی نگاہ میں سچے اور مخلص بھائی سے عمل کے جو درجے مطلوب ہیں ان سے بھی اخوان کی دعوت پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں:

سچے اور مخلص بھائی سے عمل کے جو درجے مطلوب ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ وہ اپنی شخصیت کی تعمیر کرے۔ چنانچہ اس کا جسم توانا ہو، اس کا اخلاق محکم ہو، اس کی فکر منجھی اور متوازن ہو، وہ حصول معاش اور کسب مال پر قادر ہو، اس کا عقیدہ درست اور اس کی عبادتیں بے لوث ہوں، وہ اپنی ترقی کے لئے کوشاں اور اپنے اوقات کا قدر داں ہو، اس کے سارے معاملات منظم ہوں اور اس کا وجود زیادہ سے زیادہ کارآمد ہو۔ یہ فرداً فرداً ہمارے ہر بھائی کے فرائض ہیں۔

۲۔ وہ ایک مسلم خاندان کی تشکیل کرے، اس کی فکر اس سے آگے بڑھ کر اس کے گھر والوں کے دلوں کو بھی جیت لے، وہ خانگی زندگی کے سارے گوشوں میں اسلامی آداب کا پاس و لحاظ رکھنے پر انہیں آمادہ کرے۔ وہ صالح بیوی کا انتخاب کرے اور پھر اسے اپنے حقوق و فرائض کے حدود میں رکھنے کی تاکید کرے۔ وہ بیٹوں اور ماتحت خادموں کی عمدہ سے عمدہ تربیت کرنے اور اسلامی اصول و مبادی پر ان کی پرورش کرنے کی تلقین کرے۔

۳۔ وہ معاشرے کی اصلاح کرے، لوگوں میں خیر کی دعوت عام کرے، بدی اور منکرات سے برسر جنگ ہو اور نیکی کی طرف بڑھنے، بھلائی کی تلقین کرنے اور خیر کے کاموں میں باہم مسابقت کرنے پر حوصلہ افزائی کرے۔

۴۔ ہر وہ بیرونی — غیر اسلامی — اقتدار سے اپنے وطن کو آزاد کرے وہ جسے کسی بھی سیاسی، روحانی یا اقتصادی اقتدار کو اپنی سرزمین میں قدم نہ رکھنے دے۔

۵۔ وہ حکومت کی اصلاح کرے یہاں تک کہ وہ صحیح معنوں میں اسلامی حکومت بن جائے۔

۶۔ وہ امت مسلمہ کی بین الاقوامی حیثیت کو بحال کرائے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اس کے علاقوں کو آزاد کرائے۔ اس کے مجد رفتہ کو دوبارہ زندہ کرے، اس کی تہذیب و ثقافت کو نئے سرے سے فروغ دے اور اس کے اندر اتحاد و اتفاق کی روح پھونک دے۔

۷۔ وہ سارے عالم کی معلمی و رہبری کا فرض انجام دے، وہ دعوت اسلامی کو زمین کے چپے چپے پر اس طرح پھیلا دے کہ کہیں شرک کا نام نہ رہ جائے اور ہر جگہ اطاعت الٰہی کا جاں نواز منظر نظر آنے لگے۔"

پانچویں کانفرنس میں اسلام کے سلسلے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے اخوان کا تصور اسلام یوں اجاگر کرتے ہیں:

"بعض لوگ اسلام کو بس ظاہری عبادات میں محدود سمجھتے ہیں۔ اگر وہ انہیں ادا کر لیتے ہیں یا کوئی دوسرا انہیں ادا کر لیتا ہے تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو اسلام کو اخلاق فاضلہ اور روحانیت تامہ کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک مادی زندگی کی ساری آلائشوں سے مکمل اجتناب کا نام اسلام ہے۔ بعض ایسے ہیں جو اسلام کے عملی اور تحریکی پہلو کی زبانی پسندیدگی سے آگے نہیں بڑھتے۔ کچھ لوگ اسلام کو موروثی اور تقلیدی چیز سمجھتے ہیں جس کا موجودہ زندگی کی دوڑ میں کوئی مصرف ہے اور نہ فائدہ۔ اس لئے وہ اسلام پر اور ہر اس چیز پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں جس کا اسلام سے تعلق ہو۔ اس قسم کی باتیں آپ ان لوگوں سے سنیں گے جو فرنگی تہذیب و ثقافت میں رنگے ہوئے ہیں یا [illegible]

کے اور کئی گروہ ہیں جو اسلام کے بارے میں اپنا ایک مخصوص نقطۂ نگاہ رکھتے ہیں۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں سے متعلق ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی تعلیمات زندگی کے روحانی پہلو یا انفرادی عبادت کی حد تک محدود ہیں اور دوسرے شعبۂ حیات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اسلام عقیدہ بھی ہے اور عبادت بھی، عمل بھی ہے اور نسل بھی دین بھی ہے اور ریاست بھی، روحانیت بھی ہے اور عمل بھی، قرآن بھی ہے اور تلوار بھی۔ قرآن ان سارے چیزوں سے بحث کرتا ہے اور انہیں اسلام کا لب لباب قرار دیتا ہے۔"

(باقی آئندہ)

بقیہ۔ ہجرت کے مسائل

کے لئے تنگ ہو گئی تھی اور حکم ہوا کہ اس دعوت کو نہ چھوڑنا میری زمین بہت کشادہ ہے اس لئے دوسری جگہ پر جا کر نظام عبادت قائم کرو اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو اس آیت کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

●●

"حیاتِ نو"

کو آپ کے مالی تعاون کے ساتھ

ساتھ آپ کے مشوروں کی بھی

ضرورت ہے

آٹھ
دو

بقیہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا۔

دیا ہے اور یہ انسانوں کے لئے اقتصادی اصلاح کا روشن ترین پہلو ہے انسان کے لئے وہ عقائد اور احکام اور پابندیاں بالکل بیکار اور بے معنی ہیں، جو اسکی فطرت، اس کے حالات اور اس کے اخلاق پر اثر انداز نہ ہوں۔ اسلام کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے اخلاق پر اثر انداز نہ ہوں۔ اسلام کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے تمام عقائد انسانی فطرت کی اصلاح کرتے ہیں، اس کا کوئی حکم ایسا نہیں جو کسی برائی سے باز نہ رکھتا ہو۔ اسلام نے انسانی مساوات کی جو تعلیم دی ہے وہ اسلامی اخوت میں مضمر ہے اور اسلامی اخوت کی تعلیم انسانیت کی معراج ہے یہ ایک نظریہ ہی نہیں، بلکہ ایسے دور میں بھی مسلمان اس پر عمل پیرا ہیں۔ میں جہاں بھی گیا میرے اسلامی بھائیوں نے گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔ اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ اسلام جس قدر مساوات کی تعلیم دیتا ہے وہ اور دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہے۔ اسلامی عقیدہ کے تحت ایک مسلمان ایک دوسرے کا بھائی ہے۔ اس کے نزدیک امیر، غریب، کالے گورے اور اونچ نیچ کا فرق نہیں ہے۔

میں سجدۂ شکر بجا لاتا ہوں کہ اس نے میرے دل کو نور ہدایت سے منور کیا اور مجھے قبولیت اسلام کا شرف بخشا قطع نظر اس کے کہ قبولیت اسلام کے بعد مجھے کن کن مراحل سے گزرنا پڑا کیونکہ راہ حق کے لئے یہ ایک ناگزیر شے ہے کہ باطل قوتیں اسکی راہ کھوٹی کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ پہلے دھمکیوں سے کام نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر لالچ دیا جاتا ہے اور اس کے بعد مصائب و شدائد کا ایک بند نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اسلام کی دولت کے بعد ثابت قدمی کی نعمت سے بھی نوازا۔

اقبال احمد، اڈیٹر رفیق پٹنہ

مولانا انیس الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ

مولانا انیس الدین احمدؒ سابق امیر حلقہ جماعت اسلامی بہار عام انسانوں کی قد و قامت میں ایک عظیم الشان مجموعہ تھے۔ دراز قد، بڑی بڑی آنکھیں، چہرے پر چیچک کے داغ۔ ایک آدمی کی طرح ایک موثر مقرر، جس کی گواہ وہ تقریریں ہیں جو آج بھی سننے والوں کو یاد ہیں۔ ایک مصنف جس کی گواہ وہ کتابیں "اسلام ہی کیوں" اور "تلاش منزل"۔ ایک کامیاب منتظم جس کی گواہ بہار کی امارت اور جماعت کا تیسرا آل انڈیا اجتماع دربھنگہ منعقدہ دور۔ صاحب رائے جس کی گواہ مجلہ اسلامی بہار اور جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ۔ جدید و قدیم علوم پر گہری نظر جس کے گواہ ان کی مجلسوں کے شرکاء ہیں جو ہمیشہ متاثر ہو کر اٹھے تھے۔ ایثار و قربانی، حکمت، استقامت، اور خاکساری و بے ریائی کا پتلا جس کی گواہ ان کی پوری تحریکی زندگی اور ان کی زندگی میں آنے والے لوگ ہیں۔

مولانا انیس الدینؒ کا آبائی وطن شیر شاہ کی سرزمین سہسرام تھا۔ ۱۹۳۴ء کے تاریخی زلزلے کے بعد ہی ان کے والد حکیم علیم الدین احمد صاحب دربھنگہ منتقل ہو گئے اور کرائے کی ایک دوکان میں اپنا مطب کھولا۔ مولانا انیس الدینؒ کی پیدائش سہسرام میں ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ سہسرام ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اور ۱۹۳۲ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ان دنوں میٹرک کا امتحان پٹنہ یونیورسٹی کراتی تھی۔ میٹرک کرنے کے بعد پٹنہ آئے اور وہیں تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا لیکن کچھ نامناسب وجوہ سے پٹنہ یونیورسٹی میں داخلہ نہ ہو سکا اور انہیں مظفرپور میں ایل ایس کالج میں داخلہ لینا پڑا جہاں سے آئی اے اور بی اے کا امتحانات پاس کئے ۱۹۳۸ء کے آس پاس بی اے کا رزلٹ نکلتے ہی کئی نوکریوں کا موقع ملا جن میں ایک ہوائی جہاز کے پائلٹ کے لئے بھی تھا۔ ان کے گردن پر ایک گلٹی تھی، میڈیکل ٹیسٹ میں انہیں اس کا آپریشن کرانے کی صلاح دی گئی۔ گھر کے لوگوں نے اس خواہش پر تیشہ چلا دیا۔ دوسری نوکری کو پسند کیا اور وہ تھی سب انسپکٹر کی نوکری۔ مظفرپور کے قریب پوسا میں ہونے کی پہلی Posting ہوئی اور وہ ایک عرصے تک اس محکمے میں انسپکٹر اور پھر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر کام کرتے رہے۔ اسی دوران ان کے ایک رشتہ دار نے جو کسی تحقیق کے سلسلے میں مطالعہ کر رہے تھے مولانا مودودیؒ کا مطالعہ کیا اور پھر یہ کتابیں انیس الدینؒ کو مطالعہ کے لئے دیں اسے پڑھ کر انہوں نے اس تاثر کا اظہار کیا "یہ شخص تو مشکل ترین گتھیوں کو نہایت آسانی سے حل کر دیتا ہے۔" ان دنوں انیس الدین صاحب دوسرے بہت سارے نوجوانوں کی طرح مارکسزم سے بے حد متاثر تھے۔ مولانا مودودیؒ کی ہنگامہ خیز تحریروں، حسین سید صاحب اور دوسرے تحریکی کارکنوں

نوٹ:۔ یہ مضمون "تحقیقات" نمبر میں شائع ہونا تھا مگر "تحقیقات" نمبر کی کتابت اور طباعت کی خامیوں کی بنا پر قارئین کا مطالبہ تھا کہ اس نمبر کے مضامین تلافی مافات کی خاطر وقتاً فوقتاً "حیات نو" میں شائع کئے جائیں۔

کی صحبت سے بہت جلد ان کے دل کی دنیا بدل گئی اور تحریک اسلامی کے بہت قریب آ گئے یہاں تک کہ ۱۹۵۳ء میں جماعت اسلامی کے رکن بن گئے۔ تحریک اسلامی سے قرب نے پہلے ہی والد کو برگشتہ کر دیا تھا اور تحریک کی رکنیت کے بعد والد نے گھر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد وہ عابدہ بائی اسکول مظفر پور میں استاد کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ اس بیچ والد کی شدت ناراضگی ختم ہو گئی۔

مظفر پور کے قیام کے دوران جب تحریکی سرگرمیاں کافی بڑھ گئیں تو محکمہ تعلیم نے ان سے EXPLANATION طلب کیا۔ آپ نے اس کا بہت ہی موثر جواب تیار کیا، اسلام اور جماعت اسلامی کی پوری دعوت پیش کر دی اور صاف صاف لکھ دیا کہ جماعت سے ان کا تعلق اسکول کے تعلق سے زیادہ مضبوط اور اہم ہے اور بالآخر اس نوکری کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔

مظفر پور کے قیام کے دوران انھوں نے ایک اچھے ٹیلر ماسٹر کے تعاون سے ایک ٹیلرنگ کی دوکان کھولا یہ دوکان چل نکلی اسی دوران جماعت اسلامی بہار کو جنوبی اور شمالی زون میں تقسیم کر دیا گیا اور انہیں جنوبی بہار کے امیر کی حیثیت سے کام کرنے کو کہا گیا۔ وہ مظفر پور سے رانچی آئے اور فیصلہ کیا کہ ہزاری باغ کو جنوبی بہار کا مرکز بنایا جائے۔ لیکن عدم سہولتوں کی وجہ سے رانچی کو ہی مرکز بنایا۔ کچھ ہی عرصہ بعد چترپور جو رام گڈھ سے تقریباً ۲۰ کیلو میٹر کی دوری پر واقع ہے، کے کچھ کارکنوں نے چترپور منتقل ہونے کا فیصلہ کیا اور پھر تمام اہل وعیال کے ساتھ منتقل چترپور پہنچ گئے۔ چترپور کی بستی مولانا حبیب اللہ اور مولانا انیس الدین احمد صاحب کی موجودگی سے بے حد متاثر ہوئی۔ چترپور پہنچنے کے ایک سال کے بعد ہی وہاں ایک اسلامی درسگاہ کے قیام کا فیصلہ ہوا جس میں مولانا جلیل احسن ندوی اور مولانا شبیر صاحب بھی استاذ کی حیثیت سے بلائے گئے۔ چترپور کو مرکز بنا کر پورے جنوبی بہار

میں جماعت اسلامی کا کام کرتے رہے ایک وقت تنظیمی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آئیں اور دوسری طرف ان کی شخصیت کا وقار اور عظمت دوست و دشمن سب کو متاثر کرتی رہی۔ چترپور کا مدرسہ تمام گاؤں والوں کے تعاون سے شروع کیا گیا تھا۔ ایک مرتبہ اس میں کچھ اختلافات ہو گئے، ان اختلافات میں جماعت اسلامی کے خلاف جماعت مخالف علماء کا اجتماع بلایا گیا جس میں مولانا سالم صاحب اور مولانا وفا شاہ جہاں پوری بھی تشریف لائے۔ چترپور میں جماعت کے کارکنوں نے مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ اس اجتماع میں کسی نمائندے کو شریک ہو کر تقریریں سننی چاہئیں البتہ مولانا انیس الدین صاحب کو اس میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ اجتماع شروع ہوا اچانک انیس صاحب پاجامہ اور شیروانی میں ملبوس اجتماع گاہ میں آئے اور سیدھے ڈائس پر پہنچ گئے۔ ڈائس پر بیٹھے لوگوں کی نظر پڑی تو سبھوں نے ان کا استقبال کیا اور بیٹھنے کی جگہ دی۔ ایک عجیب سی صورتحال پیدا ہو گئی۔ تقریریں شروع ہوئیں اور ہوتی رہیں لیکن جماعت کے خلاف کچھ بولنے کی ہمت کسی کو نہ ہو سکی۔ یہ ان کی جرأت مندی کی ایک مثال تھی۔

دلی میں ۱۹۷۴ء میں ہونے والے اجتماع کا ناظم بھی انھیں بنایا گیا اپنی انتظامی صلاحیتوں اور جرأت مندانہ فیصلوں سے انھوں نے اس اجتماع کو ایک مثالی اجتماع بنا دیا جس کی یاد آج بھی لوگوں کے ذہن میں محفوظ ہے۔ مرکز جماعت اور دعوتی مشن کے لئے دفتر کی خریداری کے سلسلہ میں بھی انھوں نے جرأت و ہمت کے ساتھ کوشش کی۔ ان کی موجودگی میں ساتھیوں کو بھی جرأت مندی کے قدم اٹھانے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا تھا۔ انیس صاحب میں بہت سی خوبیاں تھیں لیکن ہمت ان کی سب سے نمایاں صفت تھی۔

۱۹۷۵ء سے وہ مرکزی شوریٰ کے رکن ہو گئے۔ دعوت ٹرسٹ اور اشاعت اسلام ٹرسٹ کے بھی رکن رہے ۱۹۶۰ء میں جماعت اسلامی بہار کے شمالی اور جنوبی زون کو ختم کر کے

اسے ایک حلقہ بنا دیا گیا اور انیس الدین صاحب کو امیر حلقہ بہار بنایا گیا۔ اس کے بعد ہی پٹنہ میں حلقہ کا دفتر شروع ہوا کچھ دنوں تک وہ وقتاً فوقتاً دفتر آکر کاغذ اور کام کا جائزہ لیتے تھے پھر بعد میں مستقلاً پٹنہ آ گئے۔ ستمبر ۱۹۹۵ء میں شوریٰ کے ایک اجلاس میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ خراب صحت ۲۲ ستمبر کو دل کے دورے پر ختم ہو گئی۔ امیر جماعت نے سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کی۔ جب "قیل ادخل الجنۃ" پر پہنچے تو روح جسد خاکی کو چھوڑ کر اپنے رب سے راضی جنت کی طرف پرواز ہو گئی "فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور دہلی کی زمین میں جہاں ان گنت گوہر آبدار پوشیدہ ہیں ریاست بہار کا یہ گوہر گراں مایہ سپرد خاک کر دیا گیا۔ مولانا مودودیؒ نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا: "یہ المناک خبر ملی کہ صوبہ بہار کے امیر حلقہ جناب انیس الدین احمد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر سے دلی صدمہ ہوا۔ ہندوستان میں ایک ایک آدمی جو تحریک اسلامی کی خدمت کر رہا ہے نہایت قیمتی فرد ہے جن کا دنیا سے رخصت ہو جانا اس تحریک کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے میری طرف سے ان کے اعزہ و رفقاء کو تعزیت پہنچا دیں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کی جگہ کام کرنے کے لئے دوسرے خادمان دین کو پہلے سے زیادہ سرگرم کر دے۔"

جز از رحمت یزداں ماں رفیق نفیس
بروح تازہ و شاداں بجان پاک نفیس

یورپ کے تجرباتی علوم کا ماخذ

اس حقیقت سے کسی کو بے خبر نہ رہنا چاہئے کہ تجرباتی علوم جو عہد حاضر میں یورپ کی صنعتی تہذیب کے روح رواں ہیں ان کا جنم یورپ نہیں ہے بلکہ اندلس ہے اور مشرق کے مسلم ممالک کی اسلامی یونیورسٹیاں ہیں ان علوم کے بنیادی اصول اسلام کی ان تعلیمات اور ہدایات سے اخذ کئے گئے تھے جن میں کائنات اور اسکی فطرت اور اسکے سینے میں مدفون طرح طرح کے ذخائر و خزائن کی جانب واضح اشارے موجود ہیں جن کے نتیجہ میں یورپ کے اندر ایک مستقل علمی تحریک برپا ہوئی اور کشاں کشاں وہ ترقی اور تکمیل کے مراحل طے کرتی رہی۔ اس عرصہ میں عالم اسلام کا یہ حال ہو گیا کہ وہ اسلام سے دور ہوتا چلا گیا، جس کے نتیجے میں اسلامی دنیا میں یہ علمی تحریک پہلے جمود اور سہل نگاری کا شکار ہوئی اور پھر بتدریج ختم ہو گئی۔ اس کے خاتمے میں متعدد عوامل کو دخل تھا۔ کچھ عوامل اس وقت کے اسلامی معاشرے کی داخلی ساخت میں مضمر تھے اور بعض کا تعلق ان لگاتار حملوں سے تھا جو صلیبی اور صیہونی دنیا کی طرف سے اسلامی دنیا پر اس عرصہ میں کیے گئے۔

یورپ کا فکری سرمایہ مجموعی طور پر ہر دور اور ہر جگہ کے جاہلی فکر کی طرح ایک بالکل ہی نئی چیز بن کر رہ گیا جو اپنی فطرت و بنیاد میں اسلامی تصور سے نہ صرف اجنبی تھا بلکہ اسلامی تصور کے بالکل متضاد بھی تھا۔ اس سے سر بسر تصادم بنا بریں ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صرف اسلامی تصور زندگی کے اصول و قواعد کو اپنا مرجع ٹھہرائے اور صرف تعلیمات خداوندی ہی سے نور بصیرت حاصل کرے اگر وہ ان تعلیمات کو براہ راست اخذ کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو فبہا ورنہ اگر اسے یہ قدرت حاصل نہ ہو تو کسی ایسے خدا پرست مسلمان سے انہیں حاصل کرے جس کے دین و تقویٰ پر اسے بھروسہ ہو اور جسے وہ پورے قلبی اطمینان کیساتھ اپنا ذریعہ علم بنا سکتا ہو۔

سید قطب شہید

جادہ و منزل صفحہ ۱۳۱

انور کمال متعلم درجہ عشر چہارم

حفاظتِ قرآن

چھٹی صدی عیسوی کی تاریخ کا وہ دور ہے جب انسانیت پر ہر طرف سے تاریکی اور جہالت کی بدلیاں چھائی ہوئی تھیں۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا نقشہ تھا۔ اہرامِ مصر اپنی تابناک تمدن کے مٹیا میٹ ہو جانے پر حیران و ششدر سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ حمورابی کے قوانین داستانِ پارینہ بن چکے تھے۔ رومی تہذیب جو یونانی علم و تہذیب کی وارث بھی تھی اب بھی جہالت رومیوں کے زوال پر ماتم کناں تھی۔ ہندوستان میں مذہب اور سماج کا محور و مرکز برہمنوں کی غلامی کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ دنیا کے دوسرے خطوں پر بھی شرک و کفر اور جاہلیت و جہالت چھائی ہوئی تھی۔ ایسے حالات میں غارِ حرا سے پہلی آسمانی آواز اٹھی جس نے دل و دماغ کے بند قفل کھول دیئے اور پوری انسانیت بندوں کی غلامی سے نکل کر اللہ کی غلامی میں، دنیا کی تنگیوں سے نکل کر آخرت کی وسعتوں میں اور ادیان کے مظالم کے شکنجے سے نکل کر اسلام کے عدل و انصاف کے سایہ میں آگئی۔

اتنا اہم پیغام تھا ظاہر ہے اس کی حفاظت کیلئے اتنے ہی زبردست اقدامات کی ضرورت تھی۔ اس سے پیشتر آسمانی کتب میں تحریف و تبدیلی کو دیکھ کر خود اللہ نے اس کتاب قرآن کی حفاظت کا ذمہ لے لیا:

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ

دوسری جگہ فرمایا گیا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

چنانچہ حضور اکرمؐ نے اور صحابہ کرامؓ نے قرآن کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا۔ مسلمانوں پر ابتداء ہی سے نماز فرض تھی اور قرآن کا ایک حصہ نماز میں پڑھنا لازمی تھا اس لئے قرآن جیسے جیسے نازل ہوتا گیا مسلمان اسے حفظ کرتے چلے گئے اور آج بھی کروڑوں کی تعداد میں پوری دنیا میں حفاظِ قرآن آپ کو مل جائیں گے۔

کتابت

عربوں کا حافظہ غضب کا تھا۔ ہزارہا قصائد اور ارجوزے، کہاوتیں اور روایات انھیں زبانی یاد ہوتیں۔ انھیں اپنی قوتِ حافظہ پر فخر تھا۔ وہ کسی چیز کو لکھ کر یاد رکھنے میں اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود حضور اکرمؐ نے قرآن پاک کے معاملہ کو حفظ تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اس کی کتابت کا اہتمام بھی فرمایا۔ اس وقت کاغذ دستیاب نہ تھا اس لئے جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا آپ کاتب کو بلا کر کھجور کے پتوں اور لکڑی یا ہڈی کے ٹکڑوں پر لکھوا دیتے۔

حضور اکرمؐ کے خاص کاتب حضرت زید بن ثابت انصاریؓ تھے لیکن آپ کے علاوہ اور بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے جنھوں نے وقتاً فوقتاً یہ خدمت انجام دی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیف مدارج النبوۃ میں ایسے اکتالیس صحابہ کرام کے نام اور حالات لکھے ہیں جنھوں نے یہ کام انجام دیا۔

تدوین

حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد جب ارتداد کا طوفان اٹھا اور اسے فرو کرنے کیلئے صحابہ کرام کو متعدد خونریز جنگیں لڑنی پڑیں تو ان میں ایسے اصحاب کی ایک کثیر تعداد شہید ہوگئی جو حافظ قرآن تھے مثال کے طور پر جنگ یمامہ میں سات سو حفاظ قرآن شہید ہوگئے اس سے حضرت عمرؓ کے دل میں خیال آیا کہ اگر قرآن پاک کی یکجا کتابت اور تدوین کا کام نہ کیا گیا تو خدانخواستہ قرآن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے بار بار اس موضوع پر بات کی چنانچہ وہ بھی تیار ہو گئے اور پھر آپؐ کے کاتب خاص زید بن ثابتؓ کو تیار کیا گیا اور انھیں اس کام کا انچارج مقرر کر دیا۔ حضرت زید بن ثابت نے اس کام کو ہاتھ میں لیتے ہی حضور پاکؐ کے زمانے کے لکھے ہوئے مختلف قرآن کے حصے اکٹھا کئے اور صحابہ کرام جو حافظ قرآن تھے انھیں جمع کیا اور نہایت درجہ اطمینان اور کامل صحت کے بعد قرآن پاک کا ایک مستند نسخہ مدون فرمایا اور اسے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے ہاں جمع کر دیا۔

ایک ہی لغت کی پابندی

یوں تو اہل عرب میں ان کی بولیوں اور محاوروں میں ایسے ہی فرق پایا جاتا تھا جیسے ہمارے ہاں کی ضلع ضلع کی اور شہر شہر کی بولی میں فرق ہے لیکن جب رفتہ رفتہ اسلام پھیلا اور عرب اپنے ریگستان سے نکل کر پوری دنیا کے بیشتر حصے پر قابض ہوگئے اور عجم بھی اسلام میں آنے لگے تو بکثرت عجمی اور تھوڑے سے عرب بھی قرأت قرآن میں غلطیاں کرنے لگے اور عثمانؓ نے محسوس کیا کہ اگر مختلف لہجوں اور محاوروں کے مطابق قرآن پاک پڑھنے کی رخصت دی گئی جو مختلف اسباب اور مصالح کے تحت حضور پاکؐ نے دے رکھی تھی، تو اس سے طرح طرح کے فتنے اٹھ کھڑے ہونے لگے چنانچہ انھوں نے صحابہ کرامؓ کے مشورے سے طے کیا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں اس قرآن پاک کی نقلیں شائع کرکے بھیجی جائیں جو حضرت ابوبکرؓ کے دور میں تیار ہوا تھا اور بقیہ دوسرے محاوروں اور لہجوں پر لکھے ہوئے مصاحف کی اشاعت ممنوع قرار دے دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دوسرے تمام لہجوں اور محاوروں اور لہجوں پر لکھے ہوئے قرآن پاک کے نسخے جلا دیئے گئے اور مستند نسخہ ہی معیار اور فرقان ٹھہرا جو قریشی لہجہ اور محاورہ کے مطابق تھا۔

منازل سیپارے اور رکوع

علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں احمد اور ابو داؤد کی ایک حدیث نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات منازل کی تعیین حضور کریمؐ کے زمانے میں ہو گئی تھی اور صحابہ کرام اسکے مطابق اسے پڑھا کرتے تھے۔ البتہ مصحف میں ان کے نشانات حجاج بن یوسف نے حسن اور یحییٰ بن یعمر سے لگوائے۔ پاروں کی تقسیم بھی اسی کے زمانے میں ہوئی۔ ہر دس آیات کے بعد جو علامت (ع) لگی ہوئی ہے وہ مامون عباسی کے دور میں ایجاد ہوئی۔ رکوع کی تعیین بھی اسی دور میں ہوئی۔ ہوا یہ کہ حضرت عثمانؓ تراویح کی نماز میں جتنا مقدار پڑھ کر رکوع کرتے تھے اسی کے اختتام پر کنارے پہ علامت (ع) لگا دی گئی۔

اعراب حرکات اور نقطے

خط عربی میں پہلے حرکات، نقطے، تشدید، جزم، وصل وغیرہ بالکل نہیں تھے۔ اہل عرب ان سے کے بغیر ہی اپنی مہارت کی وجہ سے اصلی حروف کی تعیین کر لیتے تھے لیکن جب عرب و عجم کا اختلاط ہوا اور بکثرت عجم اور تھوڑے سے عرب قرأت قرآن میں زبردست غلطیاں کرنے لگے تو حجاج بن یوسف ثقفی کے دور میں حضرت نصر بن عاصم لیثی نے ایجاد کئے جس سے ہم شکل حروف میں اشتباہ جاتا رہا۔

اس کے بعد نحو کے اولین موجد ابوالاسود دؤلی مصری نے اعراب ایجاد کیا، لیکن اعراب کی شکل وہ نہ تھی جو آج ہے بلکہ نقطوں ہی سے دوسری سیاہی بدل کر اس سے اعراب اور حرکات کا کام لیا۔

اس کے بعد الخلیل بن احمد فراہیدی نے تشدید ہمزہ

بقیہ ص ۳۰

فیاض احمد مدراسی

میں نے اسلام کیوں قبول کیا

میں نے جب ہوش سنبھالا اور مجھے مسلمانوں سے ملنے جلنے اور ان سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا اور ان کے قول و عمل سے میرے دل میں اسلام کے متعلق جو غلط فہمیاں بچپن سے پرورش پا رہی تھیں ایک ایک کر کے دور ہوتی گئیں تو میرے دل میں اسلام کو سمجھنے اور حقیقت تک پہنچنے کی جستجو پیدا ہوئی۔ چنانچہ میں نے اپنے مسلم دوستوں سے اسلامی کتب کی فرمائش کی جن کے مطالعے سے میرے اندر ایک عظیم تبدیلی پیدا ہوئی۔ اسلام کی خوبیاں اور عظمتیں ایک ایک کر کے مجھ پر روز روشن کی طرح عیاں ہوتی گئیں۔ اسلامی کتب کے مطالعے سے مجھے اس حقیقت کا بھی علم ہوا کہ اسلام دنیا کے دیگر مذاہب سے بالکل مختلف ہے۔ اسے نہ تو رہبانیت کا نام دیا جا سکتا ہے اور نہ دنیا پرستی کا بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک بہترین امتزاج ہے۔ کسی کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ مجھے اسلام سے یک بیک کیسے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ دراصل میں ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوا اور اسی طریقہ پر مجھے تعلیم دی گئی۔ لیکن میں نے کبھی اس عقیدہ میں کوئی کشش محسوس نہیں کی۔ کیونکہ یہ عقیدہ اوہام و خرافات کا دوسرا نام ہے۔ اس میں نہ عقلی دلائل ہیں اور نہ نقلی، اس کی تعلیمات غیر فطری، مبہم اور غیر مبرہن ہیں اور عقل سلیم کے خلاف ذہن میں زبردستی ٹھونسی گئی ہیں۔ جب میرا یہ شعور کچھ اور بیدار ہوا تو میرے ذہن میں فطری طور پر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اپنے پیدا کرنے والے کے متعلق زیادہ سے زیادہ جان سکوں اس کے لئے میں نے کافی کوشش کی اور اس مذہب کے تمام عقائد و نظریات کا مطالعہ کیا۔ لیکن نہ تو کنیا کماری کا مندر مجھے مطمئن کر سکا اور نہ تریویندرم کا مندر۔ گھر والے بھی مجھے تشفی دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اگر میں یہ کہوں تو بیجا نہ ہو گا۔ بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ میں خدا کی تلاش و جستجو کرتے کرتے اسلام کو پا گیا۔ اور پھر جب میں نے مزید مطالعہ کیا تو حقیقت کھل کر نگاہوں کے سامنے آ گئی کہ اسلام کے بغیر خدا کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ خدا کے متعلق تثلیث کا نظریہ بھی مجھے مطمئن نہ کر سکا۔ لیکن جب اسلام کے نظریۂ توحید سے واقف ہوا تو میری دل کی آنکھیں کھل گئیں اور مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ اسلام ہی خالق مخلوق کے درمیان رابطہ و تعلق کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسلام کے متعلق یہ میرے ابتدائی خیالات تھے لیکن جوں جوں میرے مطالعہ میں وسعت آتی گئی تو یہ حقیقت بھی واشگاف ہوتی گئی کہ اسلام صرف عقائد و عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ انسانی زندگی کے لئے ایک بہترین نظریۂ حیات اور کامل ضابطۂ زندگی بھی فراہم کرتا ہے اس میں انسانی فطرت کو مطمئن کرنے کی صلاحیت موجود ہے جبکہ سوشلزم، سیکولرزم اور کیپٹلزم کسی ایک انسانی گوشے کے متعلق نظریات ہیں اور وہ بھی ناقص اور غیر فطری۔ اس کے برعکس اسلام تمام شعبۂ حیات کیلئے احکام و ہدایات رکھتا ہے اور دوسرے ازموں کے بالمقابل اسلام تعمیری اصولوں پر مشتمل ہے۔ اسلام کی احکام و تعلیمات فطرت انسانی کی اصلاح کیلئے ہیں۔ اسلام نے شراب نوشی اور دیگر نشہ آور اشیاء کے استعمال کی سخت ممانعت کی ہے کیونکہ انسان کے اوپر ان چیزوں کے جو مضر اثرات پڑتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اسلام نے جوئے اور شراب کو بھی ممنوع قرار

(بقیہ ۳۱ پر)

مختصر افسانہ

طمانچہ

سید راشد علی حامدی

ٹرین اپنے معمول سے آدھا گھنٹہ لیٹ ہو چکی تھی، اس نے اپنے کمپارٹمنٹ پر ایک نظر ڈالی، پورا کمپارٹمنٹ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تل دھرنے تک کو جگہ نہ تھی۔ ایک پریک سود تھا یا اتفاق ہی تھا کہ اتنی بے پناہ رش کے باوجود اسے بیٹھنے کو مناسب جگہ مل گئی تھی۔ تبھی اس کی نظر اپنے سامنے کھڑے ہوئے ضعیف و ناتواں بوڑھے پر پڑی جو ضعف کی بنا پر مسلسل کپکپا رہا تھا۔ ایک لمحہ کیلئے اس کے دل میں خیال آیا کہ بوڑھے کو اپنی جگہ بٹھا دے لیکن پھر وہ کیا کرے گا؟ اس نے جلدی سے اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا۔ شاید اس کا ضمیر مطمئن ہو چکا تھا۔

اگلے اسٹیشن پر ٹرین رکی تو بھیڑ میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اسے اپنا دم گھٹتا سا محسوس ہوا اس نے سر گھما کر چاروں طرف دیکھا اس کا دل دھڑک اٹھا اس سے کچھ فاصلہ پر آشا بھیڑ کے عالم میں کھڑی تھی۔ اس کے نفس نے سمجھا دیا کہ آشا سے قریب ہونے کا اس سے اچھا موقع نہ ملے گا۔ آشا کی نظریں جب اس کی نظروں سے ٹکرائیں تو وہ بڑی فراخدلی سے مسکرا دیا اور ایک ادا سے اٹھتے ہوئے بولا: "آیئے آپ یہاں بیٹھ جایئے۔" آشا نے مسکرا کر قاتل نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اسے ایسا لگا کہ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ جائے گا۔ اسے محسوس ہوا کہ کائنات کی تمام خوشیاں اس کے دامن میں سمٹ رہی ہیں۔ ابھی وہ اپنی قسمت پر ناز ہی کر رہا تھا کہ آشا نے بوڑھے کا ہاتھ پکڑ کر سیٹ پر بٹھا دیا۔ اسے ایسا لگا کہ کسی نے اس کے گال پر بھرپور طمانچہ جڑ دیا۔ اس نے چور سی نگاہیں اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں پر ڈالیں اسے محسوس ہوا کہ تمام لوگ اس پر ہنس رہے ہیں۔ نظروں کی تاب نہ لا کر اس نے گردن جھکا لی۔ جیسے کوئی مجرم عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہو اور اس کی فرد جرم پڑھ کر سنائی جا رہی ہو!

فلسطینی بچوں کے خطوط ___ اللہ میاں کے نام

میرے پیارے خدا!
میں یہاں ریت میں لیٹا ہوا ہوں
میں تو صرف آٹھ ماہ کا تھا اور اس سے
پہلے اپنی ماں کی کوکھ میں سو رہا تھا
انہوں نے میرے ماں لوگوں کو گولی مار دی

خدایا
میری کیا غلطی تھی کہ تری بنائی ہوئی اس
خوبصورت دنیا والوں کو دیکھ بھی نہ سکا
ابھی تو میری غلطی کرنے کی عمر شروع بھی نہیں
ہوئی تھی

ایسا کیوں؟ میرے خدا۔ ایسا کیوں؟
فقط آپ کا ایک فلسطینی بچہ۔

میرے پیارے خدا میرے اچھے خدا
مجھے زوروں کی پیاس لگی تھی۔ میں نے ان
سے پانی مانگا تھا
انہوں نے لوہے کی بنی ہوئی ایک
نالی میری طرف بڑھائی
میں سمجھا یہ پائپ ہے اور اسے چوسنے لگا
اس امید پر کہ ابھی منہ میں پانی آجائے گا۔
پھر دھماکہ ہوا
وہ تو بندوق کی نالی تھی۔ انہوں نے گولی
چلا دی تھی۔
مجھے پتہ بھی نہ چل سکا۔ میرا قصور کیا ہے؟
خدایا! کیا آپ کو پتہ ہے میرا قصور کیا ہے؟
پتہ ہو تو جواب ضرور دینا۔

آپ کا فرمانبردار
ایک فلسطینی بچہ

یا خدا
ہم یہاں ان گندے خیموں میں رہتے ہیں۔
اور ہماری جغرافیہ کی کتابوں میں اونچی اونچی
اور خوبصورت عمارتوں کی
تصویریں ہیں
ہم کیوں ان شہروں میں نہیں رہ سکتے
ہم کیوں ان پیارے گھروں میں نہیں جا سکتے۔
خط کا جواب جلدی دینا
فقط ایک فلسطینی بچہ

"یا خدا!"
میں آپ کو بھی ایک تصویر بھیج رہا ہوں
جو میں نے خود ہی بنائی ہے۔ مجھے افسوس
ہے کہ ابھی نہیں بن سکی کیونکہ میری
ایک ٹانگ ہے اور ایک ہاتھ۔ لیکن میں اس شکل
میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور کوئی مانے یا نہ مانے
آپ تو جانتے ہیں کہ اس دنیا میں آتے وقت

میری دونوں ٹانگیں تھیں اور دونوں ہاتھ

فقط ایک فلسطینی بچہ

اے خدا!

رات کو جب ہم سونے کے لئے ننگی زمین پر لیٹتے ہیں تو ہمیں آسمان پر دو چمکدار ستارے نظر آتے ہیں۔ میرے بڑے بھائی نے مجھے ایک دن بتایا کہ یہ ہمارے خدا کی آنکھیں ہیں جن سے وہ ہمیں دیکھتا ہے۔ میں نے ماں سے پوچھا تو اس نے کہا نہیں یہ خدا کی آنکھیں نہیں خیمے میں دو سوراخ ہیں جن میں سے کھلا آسمان دکھائی دیتا ہے

نہیں دونوں میں سے کس کی بات سچی ہے آپ کے جواب سے ہی ٹھیک پتہ چلے گا۔ کیا واقعی آپ بھی نہیں دیکھتے۔

فقط ایک فلسطینی بچہ

میرے خدا!

ہمارے پاس پانی ہے نہ کھانے کو کچھ مل سکتا ہے وہ خوبصورت ڈبے بھی دکھائی نہیں دیتے جن میں کھانا بند ہوتا تھا اور جن پر لکھا ہوتا تھا غریب ــــ فلسطینی بچوں کے لئے ــــ وہ ڈبے کہاں وہ ڈبے کہاں ہیں خدایا ــــ اب تو توپ کے گولے ہیں یا مشین گنوں کے چلنے کی آواز ــ خدایا رحم کر ــــ خدایا رحم کر۔

ایک فلسطینی بچہ"

پیارے خدا۔

میرا پھوڑا اور زخم بڑا ہوتا جارہا ہے حالاں کہ میں ہر روز اسے پانی سے دھوتا ہوں۔ یہ کیوں ٹھیک نہیں ہوتا۔ میں اکیلا ہی اسے دھوتا ہوں کیوں کہ میں جھونپڑے میں اکیلا ہوں۔ یہ درد بڑھتا ہے بہت درد ہے مجھے۔ میرے ماں باپ بھی نہیں ہیں۔ خدایا وہ تیرے پاس خوش ہیں۔ میں یہاں خوش نہیں ہوں۔ مجھے اچھا کر دے یا ان کے پاس بھیج دے۔

ایک فلسطینی بچہ"

میرے پیارے خدا!

میں اور بھوک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے تو نے بہت اچھا کیا جو مجھے کھانا نہ سہی موت ہی دے دی۔ شکریہ خدایا۔ بہت بہت شکریہ۔

ایک فلسطینی بچہ"

(ماخوذ از ایشیا بحوالہ روزنامہ نوائے وقت)

افزائش نسل اور غذائی پیداوار

خدا اور مذہب پر یقین رکھنے والا کوئی شخص اگر یہ کہتا ہے کہ خالق کائنات کسی ذی روح کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کے رزق کا انتظام کر دیتا ہے تو مادی انداز فکر رکھنے والے اس پر توجہ دیئے بغیر گذر جاتے ہیں لیکن ایسے لوگ ایک ممتاز ماہر معاشیات کی اس رائے کو کیا کہیں گے۔

"غذائی پیداوار اور انسانی نسل کی افزائش میں براہ راست تعلق ہے اگر پیداوار میں کمی ہوگی تو آبادی بھی گھٹ جائے گی۔ اس اندیشے کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ آبادی کے بڑھنے اور پیداوار کے گھٹنے سے لاکھوں افراد فاقہ کشی کا شکار ہو جائیں گے۔"

ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈامنٹل ریسرچ کے شعبہ ریاضیات کے سربراہ پروفیسر راما نے یہ بات اپنے ایک لیکچر میں کہی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اگر پانی کے وسائل کو صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو ہندوستان کی غذائی پیداوار بارہ کروڑ ٹن کی موجودہ سطح سے ۲۰۰۰ء تک بیس کروڑ ٹن ہو سکتی ہے

(سہ روزہ دعوت دہلی)

حمد

احمد ندیم قاسمی

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی منزل ہے فقط نقش کفِ پا تیرا

پر اسے قطرے ہے جو گہرا ہوں تو یہ ہے تیرا کرم
مجھ کو چھلکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

تجھ سے پہلے کا جو ماضی ہے ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

بیاباں بنا کے پہاڑوں کو تو سب کاٹتے ہیں
ریگزاروں میں بھی بہتا ہوا دریا تیرا

بیروت و خوں فشاں

شفیق طاہری

بیروت میں اسرائیل کی وحشت و بربریت کے دلدوز مناظر دیکھ کر

خزاں گرفتہ میں شاداں نہ زندگی کا دلیل
جہاں پیامِ مسلماں ہے روشنی کی دلیل

یہ ارتقاء کا چلن ہے کہ ہر زمانے میں
پرانے فن کی نئے آدمی سے تکمیل

خبر ملی ہے یہ بیروت خوں فشاں سے مجھے
تڑپ رہی ہے سرِ خاک خون قومِ خلیل

جو ملک کے راز سے واقف نہیں بڑھ کر رواں
یہ لفظ اور بھی چاہتا ہے کچھ تفصیل

حرم کے صف شکنوں کا ساتھ کیوں نہیں لیتے
بجھا رہا ہے کوئی ہاتھ امن کی قندیل

فدائیوں کی شکستہ موت اتنی سہل نہیں
خود اپنی قبر کی تعمیر میں ہے اسرائیل

اختر القطری

ہم آخر دم تک لڑتے رہیں گے

مجلہ صوت افغانستان شہادت

جہادیت کے سامنے ایک

اب کوئی بھی شخص بشرطیکہ ہوش و حواس رکھتا ہو اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ روس نے دسمبر ۱۹۷۹ء میں جن مقاصد کے لئے افغانستان میں فوجی مداخلت کی تھی وہ اور اس پر غلبہ و تسلط کی صورت میں جو خواب دیکھا تھا وہ افغان مجاہدین کی شدید ترین مزاحمت اور ان کی جنگی حکمت عملی کے باعث ہنوز شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا تقریباً تین سال گزر جانے کے بعد بھی روسی فوج مجاہدین کی طاقت کچلنے میں ناکام رہی ہے۔ غیر ملکی نامہ نگاروں کے ذریعے جو خبریں افغانستان کے بارے میں موصول ہو رہی ہیں ان سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ روس کی فوجی برتری اور جدید ترین اسلحہ کی کثرت و بہتات کے باوجود مجاہدین افغانستان کا پلہ بھاری ہے جو انتہائی بے سروسامانی کے باوجود صرف جوش ایمانی سے سرشار ایک سپر پاور ملک سے ٹکرا رہے ہیں۔ روس نے اپنے ایک پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ پڑوسی کو لقمہ تر سمجھ کر اسے ہضم کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا حالات نے ایسا پلٹا کھایا ہے کہ وہ اس کے حلق میں ہڈی کا کانٹا بن کر رہ گیا ہے۔

یوں تو بظاہر روس نے دسمبر ۱۹۷۹ء میں تمام عالمی اصولوں کو روندتے ہوئے اپنی اسی ہزار فوج کے ذریعہ افغانستان پر اپنا قبضہ مکمل کر لیا تھا لیکن تین سال کی مدت میں روس کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ جہاد آزادی کو کچلنا اس کے بس سے باہر کی بات ہے۔ افغانستان کا ایک ایک گاؤں روس کے لئے ناقابل تسخیر قلعہ بن گیا ہے وہ ایک گاؤں سے مجاہدین کا صفایا کرتا ہے تو ایک دوسرا گاؤں مجاہدین کے قبضہ میں چلا جاتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ روس صرف چند شہروں پر قابض ہے اصل حکمرانی تو مجاہدین کے ہاتھ ہے۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق وادی پنجشیر میں مجاہدین اور روسی فوجوں کے درمیان جو جنگ ہوئی ہے وہ اب تک کی تمام جنگوں میں سب سے شدید جنگ تھی وہ غیر ملکی نامہ نگار جو خفیہ طور پر مجاہدین کے ٹھکانوں پر پہنچ گئے تھے ان کے بیان کے مطابق روس نے وادی پنجشیر سے مجاہدین کی طاقت کو کچلنے کیلئے اپنی ۱۲ ہزار فوج اس پر جھونک دی تھی جس کے ساتھ سینکڑوں بکتر بند گاڑیاں، ۹۰ جیٹ طیارے اور ۱۰۰ ہیلی کاپٹر بھی تھے لیکن ان تمام جدید ترین اسلحہ جات کے باوجود روس کو شکست فاش سے بھی پسپائی اختیار کرنی پڑی جبکہ اس کے مقابلے میں مجاہدین صرف تین ہزار تھے۔

ایک دوسری اطلاع کے مطابق مجاہدین نے قندھار شہر پر ایک زبردست حملہ کے بعد جیل کی آہنی دیواریں توڑ کر اپنے ۷۰۰ قیدیوں کو رہا کرا لیا۔

افغانی مجاہدین کی کامیابی کا راز ان کی جنگی حکمت عملی ہے۔ افغانستان ایک پہاڑی ملک ہے چنانچہ مجاہدین کے لئے کافی مدد و معاون ثابت ہوتی ہے مجاہدین کو جب روسی فوج کی پیش قدمی کی اطلاع ملتی ہے تو وہ ان سے مقابلے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور جب وہ ان کے زد پر کرتے ہیں تو اچانک کسی درہ سے نکل کر ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور جب تک روسی فوج سنبھلتی ہے وہ کافی جانی و مالی نقصان پہونچا کر اور ان کو تتر بتر کر کے دوبارہ پہاڑی دروں میں جا پہنچتے ہیں۔ اس طریقہ جنگ میں مجاہدین کا جانی نقصان نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ اور روسی فوج جب ان پر فضائی حملے کرتی ہے تو یہی پہاڑیاں اور درے ان کیلئے قدرتی قلعے بن جاتے ہیں جو ناقابل تسخیر ہیں۔

مجاہدین اس خوش گمانی میں کبھی مبتلا نہیں ہوتے کہ روس کو شکست دے دیں گے ان کی جدوجہد کا مرکز و محور صرف یہ ہے کہ روسی فوج کو اس قدر جانی و مالی نقصان پہونچایا جائے کہ وہ مایوس ہو کر واپس چلی جائیں ماضی میں ہلاکو خان چنگیز اور برطانوی فوج بھی افغانیوں کے ہاتھوں کافی جانی نقصان اٹھا اٹھا کے ہیروں واپس گئی تھیں۔

در حقیقت یہ ہے کہ روس اس مصیبت سے اپنی جان بچانا چاہتا ہے کیوں کہ خود روس میں بھی اس ظلم و بربریت کے خلاف ایک عام بے چینی پائی جا رہی ہے خود روس کا فوجی اخبار ریڈ اسٹار کھلے چند دنوں اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ سوویت سپاہی افغانستان میں بہت ہی مشکل زندگی بسر کر رہے ہیں مگر روس کی خواہش یہ ہے کہ کہ اگر افغانستان چھوڑیں تو ایسی حکومت قائم ہو جائے جو اس کے مفادات کی نگراں ہو کیوں کہ مجاہدین افغان جن کی سربراہی کلی طور پر جمعیت اسلامی کے ہاتھ ہے ہرگز اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ روس سے دوبارہ تعلقات استوار کئے جائیں۔ اس معاملے میں امریکہ بھی روس کا ہمنوا معلوم ہوتا ہے اسے یہ گوارہ ہے کہ افغانستان روسی بلاک میں چلا جائے مگر یہ پسند نہیں کہ اس پر اسلام پسندوں کا غلبہ ہو اور وہاں اسلامی حکومت قائم ہو۔ حتی کہ وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے بھی دورۂ امریکہ کے موقع پر اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

روس حتی الامکان اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ وہ مجاہدین کے درمیان پھوٹ ڈلوا دے لیکن اس کی ہر کوشش مجاہدین کے اتحاد کو تقویت بخشتی ہے وہ روس کی ان چالوں سے بخوبی محتاط ہو گئے ہیں۔

حالات صاف طور پر اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ روس افغانستان میں زیادہ دنوں تک نہیں ٹک سکتا ہے جلد یا بدیر افغانستان چھوڑنا ہوگا اور ان شاء اللہ وہاں بھی اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ ہماری دعائیں مجاہدین کے ساتھ ہیں۔

••

شرائط ایجنسی

- ایجنسی کم سے کم پانچ رسائل پر دی جائیگی۔
- دس روپے ایڈوانس جمع کرنے ہوں گے
- پانچ سے پندرہ پرچوں تک ۲۵ فیصدی کمیشن دیا جائیگا

البتہ پندرہ سے زائد پر ۳۰ فیصدی کمیشن دیا جائے گا

- رسائل کی روانگی کا خرچ ادارہ برداشت کرے گا البتہ

وی پی اور رجسٹری کا خرچ ایجنٹ صاحبان کے ذمہ ہوگا۔

- ہر مہینے کا بل باقاعدگی سے ادا کرنا لازم ہوگا۔

• • •

منیجر ماہنامہ حیات نو جامعۃ الفلاح بلریاگنج
اعظم گڈھ - یوپی -

نقد و تبصرہ

تلاشِ اقبال

مولف:- خالد حامدی

ملنے کا پتہ:- ادارۂ شہادتِ حق ۸۰۱ جامع مسجد دھلی - ۶

قیمت:- [illegible]

کتابت و طباعت:- عمدہ ہے

ادارہ شہادت کی یہ پیشکش بعض حیثیتوں سے بہت بلند پایہ ہے۔ مولف نے کوشش کی ہے کہ ان تین سو صفحات میں اقبال کی شخصیت، فکر و فلسفہ، دینی نقطۂ نگاہ، شعر و شاعری پر ان کی زندگی اور دعوت و پیام کے جیتے جاگتے نقوش قارئین کے سامنے پیش فرما دیں اس کے لئے انھوں نے مفید موثر اور دلچسپ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اقبال پر شائع شدہ مضامین کا ایک عمدہ انتخاب تلاشِ اقبال کی صورت میں ہمارے ہاتھوں میں دے دیا ان کی یہ سعی ہر طرح کامیاب اور قابلِ ستائش ہے اقبال اور اقبالیات پر بے شمار مضامین و مقالات کتابچے اور ضخیم کتابیں اب تک لکھی جا چکی ہیں اور برابر لکھے جا رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اقبال کی ہمہ گیر شخصیت کے لئے یہ موزوں ہے مگر یہ مشکل بھی اپنی جگہ پر موجود ہے کہ لوگوں کے لئے ان سب کا مطالعہ تقریباً ناممکن ہے اس لحاظ سے "تلاشِ اقبال" کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے کہ متوسط درجہ کی صفحات کی ایک کتاب میں اقبال کی شخصیت کے تقریباً تمام پہلوؤں پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی گئی ہے اور انکے بارے میں ایک جامع اور حقیقت آفریں تصور کا جلوہ پیش کیا گیا ہے۔ اقبال کا پیام سمجھنے کے لئے لائق مولف کی یہ سطریں بڑی اہمیت کی حامل ہیں:-

"اقبال غیر خدائی نظامِ حیات کا کلیۃً منکر ہے وہ ذہنی مساوات سے لے کر اقتدار کی کرسی اور بین الاقوامی امور سب میں الٰہی نظام کو کارفرما دیکھنا چاہتا ہے اس کے نزدیک قوموں کے عروج و زوال اور ان کی بقا و فنا کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ کون سا نظامِ حیات اپناتی ہیں۔ الٰہی نظامِ حیات جس کا پرسکون اور حیات آفریں سایہ ماضی میں ایک مدت تک انسانیت پر جلوہ فگن رہا اور جو آج بھی انسانی مسائل کو حل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے یا غیر الٰہی نظامِ زندگی جس کے کڑوے کسیلے پھلوں کا ذائقہ آج کی دنیا مختلف شکلوں میں چکھ رہی ہے اقبال نے ان دونوں کے درمیان پائے جانے والے واضح فرق کی اپنے کلام میں جا بجا نشاندہی کی ہے"

ادارہ حیات نو کم از کم مندرجہ ذیل مضامین پڑھنے کی پرزور سفارش کرتا ہے۔

- اقبال کے پیام کا متن اور تجزیہ :- مولانا سید سلیمان ندوی
- حیات اقبال کا سبق :- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
- اقبال کی شاعری :- ماہر القادری
- تعلیمی نظریات اقبال اور دارالاسلام کی تعلیمی اسکیم :- سید اسعد گیلانی
- علامہ اقبال کا مجوزہ ادارہ دارالاسلام اور مولانا مودودی :- ابوالراشد فاروقی

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

اقبال

اقبال پر ہندو پاک میں سیمینار تو بہت ہوتے ہیں اور ہمارے دانشوروں اور ادیبوں نے اقبال کی زندگی اور پیام کے کسی کو دستہ لا نہیں رہنے دیا ہے مگر جو بات سب سے زیادہ درد انگیز ہے وہ یہ ہے کہ سارا حاصل ان کاوشوں کا

نشستند و گفتند و برخاستند

سے آگے نہیں بڑھنے پاتا اور اقبال نے شاید ایسی ہی صورتحال کا شکوہ کیا ہے کہ میں زمانے میں چپکے کا ہی بات کہتا۔

— مولانا عبدالحکیم ایم اے

(بقیہ جامعہ کے لیل و نہار)

طلبائے جامعۃ الفلاح کی تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کیلئے ایک انعامی مقابلہ کا اعلان کیا گیا ہے جس کا نام جلیل احسن ندوی مرحوم کی طرف نسبت کرکے جائزہ استاذ جلیل احسن ندوی رحمۃ اللہ رکھا گیا۔ شعبۂ اعلیٰ کو چار حصوں میں تقسیم کرکے ہر ایک کے لئے الگ عنوان تجویز کیا گیا ہے۔

خوشخبری

ہمیں یہ خبر سناتے ہوئے مسرت ہو رہی ہے کہ جامعۃ الفلاح کے تین فارغ التحصیل طلباء زاہد اصغر فلاحی، ضیاء الدین فلاحی اور جاوید مجاہد صاحب فلاحی تعلیم کی غرض جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جا رہے ہیں۔ سرکاری طور پر داخلہ کے کاغذات اور ہدایات مل چکی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سب کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ آمین۔

حیات نو کی اشاعت میں بھرپور حصہ لے کر ہمارا تعاون کریں

ادارہ

حلقۂ یاراں

مکرمی و محترمی ایڈیٹر "حیات نو"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ مزاج عالی بخیر ہوگا

مولانا جان محمد عباسی مرحوم کے انتقال پر ملال کے موقع پر ایک تعزیتی بیان رشید احمد صدیقی صدر اسلامک مشن کا ارسال خدمت ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنے موقر جریدہ میں شائع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

"رشید احمد صدیقی صدر یو کے اسلامک مشن نے اپنے تعزیتی بیان میں مولانا جان محمد عباسی رہنمائے جماعت اسلامی سندھ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔

"انہوں نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ مولانا جان محمد عباسی نہ صرف ایک ممتاز عالم دین تھے بلکہ وہ تحریک اسلامی کے بہترین قائد تھے اور انہوں نے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف تفہیم القرآن اور دیگر کتب کا ترجمہ سندھی زبان میں کیا ہے۔ انہوں نے تحریک اسلامی کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

ناظم شعبۂ نشر و اشاعت،
یو کے اسلامک مشن لندن

برادر عزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں خیر و عافیت سے ہوں اور تمہاری خیر و عافیت کا طالب ہوں۔ "حیات نو" ملا۔ شکریہ۔ خدا کا شکر و احسان ہے کہ اس نے دوبارہ اس کی اشاعت کی توفیق ادارے کو بخشی اور ایک بار پھر دینی خدمات کا موقع فراہم کر دیا

نیز یہ چیز میرے لئے انبساط و مسرت کا سبب بنی کہ شعبہ تحریر کی ذمہ داری تم نے قبول کر لی ہے۔ گویا "حیات نو" کو جیتا کرنے میں تمہارا ہاتھ زیادہ ہے۔

پرچہ بے حد خوبصورت اور جاذب نظر ہے۔ مضامین کے مادی پہلو تو لاجواب ہیں ہی اس کے ساتھ ساتھ انتخاب اور ترتیب بھی قابل قدر ہے۔ ہر مضمون اپنی جگہ ایک اکائی ہے۔ اور دقت پر تحریر میں لایا گیا ہے۔ تم نے نہایت اہم موضوعات کی طرف اپنے قلم کا رخ کیا ہے۔ وہ تمہیں اختیار کرنی ہیں جو اہل علم ہی کا حصہ ہیں بہر حال مطالعہ کرتے رہو باقی خدا پر چھوڑ دو۔ وہ اپنی طرف سے تمہیں ضرور توفیق عطا کرے گا

یہ کام انتہائی محنت طلب ہے۔ اپنے سارے اوقات اس کی نذر کرنا پڑتے ہیں تب کہیں جا کر اس سے عہدہ برآ ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تمہاری تعلیم پر اس کے اثرات مرتب نہ ہوں کیونکہ ابھی تمہاری عمر ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی نہیں ہے بلکہ تعلیم حاصل کرنے کی ہے۔ بہر حال میں تمہارے عزم کو داد دے رہا ہوں کہ آئندہ تمہیں اس طرح قدم رکھنا ہے۔ اس لئے خدا وند تعالیٰ نے پہلے سے اس کام کا انتظام فرما دیا ہے۔ والسلام

ایک نعت اور کچھ غزلیات روانہ کر رہا ہوں۔ اساتذہ و دیگر احباب کو سلام کہہ دیں۔

شفیق ظاہر، کی صدر یوتھ اسلامک ارگنائزیشن

محترمی ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"حیات نو" کا ساتواں شمارہ نظروں سے گذرا۔ "پاگل"

بہت پسند آیا۔ "ایمان اور کوڑے" نے تو ایک نئی روح پیدا کر دی۔ علاوہ ازیں "تصوف" اور "علامہ ابن ارشد" بھی پسند آئے۔ "ٹائٹل بہت خوب اور عمدہ ہے لیکن ہوشربا گرانی اور "حیات نو" کی معاشی پوزیشن کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر اندرونی صفحات اس سے کچھ کم درجے ہوں تو بہتر ہے۔ تیر سرورق پر کوئی اقتباس اور ایک دو آیت قرآنی کا ترجمہ بہت مفید ہوگا۔ مضامین تقریباً سب ٹھیک ہیں۔ انٹرویو پسند نہیں آیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پرچے کو اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں تھی۔ "کھرے کھوٹے" کا کالم بھی خوش آئند ہے۔ خدا "حیات نو" کے ذریعہ وحدت ملت اسلامیہ کو ایک نئی اور کامیاب زندگی بخشے۔ آمین

والسلام

محمد حسن

...گورنمنٹ کالج ڈیرہ اسماعیل خان...

سنسرل (ضیاءلی)

مکرمی ایڈیٹر صاحب!

سلام مسنون

"حیات نو" کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ خدا کرے یہی شیا انتظام و انصرام اس آگے اور رسالہ ہر دوام پا جائے۔

اکتوبر کے شمارے میں اداریہ کے کالم میں ملک کی چوٹی [illegible] پر تبصرہ بڑا حقیقت پسندانہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسی طرح ملک کے سنجیدہ و اہل فکر طبقہ کو مسلسل جھنجھوڑنے کی ضرورت ہے۔

مقالات کے حصے میں راشد حامدی کا مضمون خصوصیت کے ساتھ پسند آیا۔ اس وقت عالم اسلام پر جیسی بے حسی طاری ہے اور ذلت و مسکنت حاوی ہے اس کے سد باب کے لئے ضروری ہے کہ اسوۂ ابراہیمی اور پیام حسینی کی اشاعت عام ہو تبھی ہندوستان و افغانستان کے مسائل حل ہوں گے اور فلپائن و فلسطین کے بھی۔ اس وقت مسلمانوں کے اندر جذبۂ جہاد پیدا کرنا بے حد ضروری ہے اور یہی ان کے تمام مسائل کا حل ہے۔

کہانیوں میں رحمت علی صابر کے افسانہ "بانی لنینڈ زونے" نے بے حد متاثر کیا۔ اتنے خوبصورت اور بامقصد افسانے کی تخلیق پر ان کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتی ہوں۔

رسالہ کے معیار میں بتدریج اضافہ کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ جلد ہی دشواریوں پر قابو پالیں گے۔ انشاء اللہ خدا آپ کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے۔ ہماری دعائیں، تمنائیں اور نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔ فقط

شاہ رشاد عثمانی (گیا)

بقیہ حفاظت قرآن

جو رموز وصل اور حرکات ایجاد کیں۔ اور فتحہ، ضمہ، کسرہ کی وہ شکلیں ایجاد کیں جو آج تک رائج ہیں۔ اس طرح ان کارناموں کا سہرا حجاج بن یوسف ثقفی کے سر جاتا ہے۔

اتنی مختصر تحریر میں بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ قرآن کی حفاظت اور غلطیوں اور ہیر پھیر کی آمیزشوں سے بچانے کیلئے کس قدر زبردست انتظامات کئے گئے۔ اسی محنت و کوشش اور خود اللہ کے وعدۂ حفاظت ہی کا نتیجہ ہے کہ قرآن کے ایک حرف میں بھی کوئی تبدیلی نہ ہو سکی۔ آج آپ دنیا کے کسی ملک کا چھپا ہوا قرآن کا ایک نسخہ اٹھا لیجئے، آپ کو دوسرے نسخوں میں اور اس میں ذرہ برابر فرق محسوس نہ ہوگا۔

دشمنان اسلام کی پیہم سازشوں اور لگاتار منصوبہ بندیوں کے باوجود آج وہی قرآن اپنی اصل اور مکمل شکل میں موجود ہے جو حضرت محمد پر نازل ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ پورا ہو کر رہا۔ اور انشاء اللہ قیامت تک اس میں کوئی تحریف نہ ہو سکے گی۔

اگر لبنانیوں تجھ کو غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

محمد سمیع اختر کے قلم سے

جامعہ کے لیل و نہار

جامعۃ الفلاح میں امیر حلقہ اتر پردیش کی آمد

حلقہ اتر پردیش کے نو منتخب امیر جناب مولانا سید حامد حسین صاحب نے امارت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے فوراً بعد یو۔پی میں جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے اور آئندہ کیلئے لائحہ عمل مرتب کرنے کی غرض سے پورے یوپی کا ایک ہنگامی دورہ کیا۔ اسی غرض سے وہ بلریا گنج ضلع اعظم گڈھ بھی تشریف لائے اپنے چند روزہ قیام کے دوران آپ نے مختلف طریقوں سے جماعت کی کارکردگی کا جائزہ لیا اور آئندہ کے لئے پروگرام بنائے۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود موصوف نے جامعۃ الفلاح کے طلباء کی شدید خواہش اور دعوت و اصرار پر لبیک کہا چنانچہ موصوف نے جامعۃ الفلاح کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیا۔

مولانا موصوف نے سورۃ حج کے آخری رکوع کی کچھ آیتیں تلاوت کیں اور اسکی روشنی میں فرمایا کہ اللہ نے دنیا و آخرت کی کامیابی کے لئے جو راستہ متعین کیا ہے وہ تین اجزاء پر مشتمل ہے (۱) اللہ ہی کا بندہ بن جانا، اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کی اطاعت میں دے دینا (۲) ہوش سنبھالنے سے لیکر آخری لمحہ تک پورے احساس و شعور کے ساتھ خدا کے احکامات کی پیروی کرنا (۳) حق کو غالب کرنے اور باطل کو نیست و نابود کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینا۔ آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کو امت مسلمہ کا حقیقی نصب العین قرار دیا۔

پھر آپ نے جامعۃ الفلاح کی مناسبت سے فلاح اخروی اور فلاح دنیوی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اگر طلباء عربی زبان اور دینی تعلیم کو دنیا کمانے کی غرض سے حاصل کرتے ہیں تو وہ یقیناً گھاٹے کا سودا کرتے ہیں۔ دین کی اور عربی زبان کی اس سے بڑھ کر اور کیا توہین ہو سکتی ہے کہ اسے دنیوی اغراض کے لئے حاصل کیا جائے۔ اسی ضمن میں آپ نے عربی زبان پر عبور حاصل کرنے کے بعد خلیجی ممالک میں تعلیم یا نوکری کی غرض سے جانے والوں پر سخت تنقید کی اور فرمایا کہ آدمی جس خطہ میں یا سماج میں رہتا بستا ہے اس پر اس کا بہ نسبت دوسری جگہوں کے زیادہ حق ہوتا ہے وہ یہ کہ ہم اس معاشرے میں رہنے والے افراد کو جہنم سے بچانے کی فکر کریں۔ ان کو کفر و الحاد اور شرک و بت پرستی کی لعنتوں سے نکال کر توحید خالص کی طرف لانے کی کوشش کریں۔ آخر میں موصوف نے ملک کی صورتحال پر حقیقت پسندانہ انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے طالبان علم دین کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور فرمایا کہ اس اخلاق و کردار سے بے بہرہ دور میں آپ اپنے قول و عمل اور سیرت و کردار سے اسلام کی صحیح نمائندگی کریں اور اسلام کی منہ بولتی تصویر بن جائیں۔

انعامی مقابلہ

انجمن طلبۂ قدیم کی مجلس شوریٰ نے منعقدہ سوم ستمبر سنہ

(بقیہ [illegible])

فلاحی برادری کیلئے

اجلاس دوسالہ انجمن طلبہ قدیم

۲۱ تا ۲۳ر نومبر ۱۹۸۲ء

برادرانِ مکرم!

سلام مسنون

خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ ۳، ۴ر ستمبر کو انجمن طلبہ قدیم کی مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا ہے کہ ۲۱، ۲۲ر نومبر ۱۹۸۲ء کو جامعۃ الفلاح میں ہمارا دوسالہ اجلاس منعقد ہوگا جس کا تفصیلی پروگرام درج ذیل ہے۔

۲۱ر نومبر پہلی نشست بعد نماز فجر:	درس قرآن از مولانا صدر الدین اصلاحی (ناظم جامعہ)
دوسری نشست ۹ر تا ۱۰ بجے:	خطبہ استقبالیہ از کنوینر خطبہ صدارت از صدر انجمن دوسالہ رپورٹ از سکریٹری
۱۰ تا ۱۱ بجے:	باہمی تعارف
تیسری نشست ۲ تا ۳ر بجے:	مقالہ "ابنائے فلاح اور تحریک اسلامی" از عبداللہ محمد فلاحی سوالات و جوابات
چوتھی نشست بعد نماز عشاء:	مذاکرہ "جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ہمارا کردار" زیر صدارت مولانا نظام الدین اصلاحی شرکاء: مشرف حسین فلاحی، اشتیاق دانش فلاحی، نسیم احمد غازی، عبدالحی فلاحی، شفیق عالم فلاحی، مقبول احمد فلاحی
۲۲ر نومبر بعد فجر:	درس حدیث شیخ علیم الحق عمری مدنی
نشست دوم ۹ تا ۱۲ بجے:	دستور پر نظر ثانی اور انتخابات
نشست سوم ۲ تا ۴ر بجے:	تجاویز مشورے اور قرار دادیں
بعد نماز عصر:	اختتامی کلمات
بعد نماز عشاء:	نو منتخب شوریٰ کا اجلاس
۲۳ر نومبر:	جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح کی طرف سے پروگرام ہوگا اور اس موقع پر انجمن کی طرف سے انعامات تقسیم کئے جاسکیں گے۔